

ایٹڈرسن کی کہانیاں

اظہر افسر

اینڈرسن کی کہانیاں

اینڈرسن کی کہانیاں

اظہر افسر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

فہرست

۹	اینڈرسن
۱۸	جس اور کا ڈیہ
۲۷	بلخ کا پتہ
۴۱	اصلی شہر زاری
۴۸	نئی اینڈرسن کے پھول
۵۵	مہلداہ کے پھول

اینڈرسن

اینڈرسن کا پورا نام ہینس کریمین اینڈرسن تھا ' ۲۵۵۰ء اپریل کو مسکو میں
 اوڈنس (جرمنی) کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا ' کوئی نہیں کہہ
 سکتا تھا کہ اوڈنس میں پیدا ہونے والا یہ فریب الا کا ایک دین ساری دنیا میں
 نہ صرف مشہور ہو جائے گا بلکہ ہر طرف چام جائے گا۔

اینڈرسن کا باپ ایک فریب موی تھا ' اینڈرسن کے بچپن ہی میں اس
 کے باپ کا انتقال ہو گیا اور سب چارے ماں کو اپنی اور اپنے بچے اینڈرسن کی پرورش
 کے لیے گھنٹوں اوڈنس کے چشموں میں گھڑے ہو کر لوگوں کے کپڑے دھونے
 پڑتے تھے۔

اینڈرسن بچپن ہی سے عرب و فریب تھا اسے چھوٹی عمری سے منے منے
 کی کتابیں پڑھنے اور ان کتابوں کی تصویریں دیکھنے اور چھوٹے چھوٹے ہانگ
 بنانے کا شوق تھا۔ منہ کی بات ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ناکوں کو خود
 ہی گاؤں میں کھیلے تھا ' خود ہی گاؤں میں اسے گروہ خود ہی اور کرتا تھا۔
 بچپن میں اینڈرسن کا ہاتھ دیکھ کر ایک بوڑھی عورت نے کہا تھا دنیا تو اپنے

گھڑی کا نام دشن کرے گا۔ ایک دن ترے لیے یہ سدا گداؤں مددشیں سے بھگتا اٹھے گا۔
 چودہ برس کی عمر میں ایتھن نے اپنا گداؤں چھوڑ دیا اور مددگار کی تلاش میں
 سیدھا شہر کو پہنچ گیا۔ ایتھن نے پہل پہن کر مختلف اڑنٹوں سے ملاقات کی
 تاکہ اس کا کام اور اس کے فیصلے دیکھ کر اسے کوئی اچھا مقام دے سکیں۔
 ملتے جلتے وہ اُن دونوں کی ایک مشہور ناچنے والی رتھی کے گھر پہنچ گیا جو اُن قبیلہ میں
 عذاذ اپنا پروگرام دیتی تھی۔

بالکل اسی ملاقات میں ایتھن نے اپنے سداے کرتب دائل خیر کی اس ناچنے
 والی کو دکھائے اور اسٹیج سے اپنی دلی محبت کا اظہار کر دیا۔ پھر اُس نے اپنے
 جوئے ناکہ کر فریض پر اس سداے کے نئے نئے ناچ رتھی کو دکھائے۔

جب سداے کرتب ایتھن کی رتھی کو دکھا چکا تو آخر میں اپنے فن کے
 بارے میں اس سے سداے پوچھی رتھی نے کہا "ایتھن تمہارا فن کچھ بھی نہیں ہے
 مگر تم بہت پیارے ہو۔"

اتنا سنتے ہی ایتھن رتھی کا دوشی کے گھر سے نکل پڑا۔ پھر اس نے ادھر
 کاڑھا نہیں کیا۔ ایتھن جنت ہارنے والا لڑکا نہیں تھا وہ دوسرے دن ہی سے
 کوپن ہیگن کے ڈسٹر ڈسے اڑنٹوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا ہر ایک سے
 اس نے اس بات کی خواہش کی کہ اسے اسٹیج ادا کرنے میں مدد دے تبست ہر سداے
 اُسے چموتے چموتے کام ملنے لگے ایک دن ایتھن کی اچھل رائل خیر کے ایک
 ڈانسر ملنے اور اُس کے بادشاہ کے دربار میں پہنچا دیا۔ بات چیت کے وقت بادشاہ
 نے سوچا کہ اس لڑکے کو پہلے اچھی تعلیم کی ضرورت ہے بادشاہ نے ایتھن کو
 شاہی اسکول میں رکھ دیا تاکہ وہ اپنے حق کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی حاصل کر سکے۔ رائل
 خیر کا ڈانسر بھی سمجھتا تھا کہ یہ لڑکا ذہین ضرور ہے مگر اسے اچھی تعلیم کی ضرورت

ہے ایتھن سے پہلے وہی لڑکوں کو شاہی اسکول میں اس طرح شریک کر دیا تھا۔
 ایتھن شاہی اسکول میں داخل تو ہو گیا مگر یہاں بھی وہ اپنی شوقی و خوار نہیں
 نہ چھوڑ سکا۔ ایک دن جب اسکول کی کھڑکی کے پاس سے مویشیوں کا بڑا گروہ گزرا
 تھا تو ایتھن نے پکار کر کہا: "ماسترا صاحب ان بھائی بہنوں کو بھی تو کچھ پٹھائے"
 ایک دن ایک بہت بڑے بے ترختے اسکول ٹیچر کو دیکھ کر اس نے غصہ
 لگایا۔ "ماسترا صاحب آپ کے قود ٹیچر بن سکتے ہیں؟"

ہر دفعہ بادشاہ کی وجہ سے بات آتی گئی جو باقی تھی۔ آخر ۲۲ سال کی عمر میں
 اس نے اس اسکول کے سداے امتحان پاس کر لیے اور اسکول چھوڑ دیا۔
 اپنی تعلیم کے زمانے میں وہ دن رات یہی سوچتا رہا کہ اسے کسی طرح شاعر
 اور ادیب بنانا ہے اور ساتھ ساتھ اُسے یہ بھی محسوس ہوتا رہا کہ شاعر اور ادیب
 بن کر اپنے آپ کو مونا نامت مشکل ہے اس میں یقین زیادہ اور آمدنی بہت
 کم ہے۔

دوسری طرف شہرت نور اس کی منتظر تھی مسئلہ یہ تھا کہ جب وہ آئی سے واپس
 ہوا تو اس نے اپنا ایک چوٹا سا ناول لکھا۔ ناول کے ساتھ ساتھ ایک چھوٹی سی کتاب
 پریوں کی کہانیوں کی بھی لکھی۔ اس کتاب کی ساری کہانیاں اس کی بچپن کی سسٹی پٹی
 تھیں اور اُن کتابیں بہت مشہور ہوئیں مگر پھر بھی سوال بدلوں کا تھا جس کی اس کو
 بے حد ضرورت تھی۔

کچھ ہی دن گزرے وہیں گئے کہ اس کی شہرت تقریباً ساری دنیا میں پھیل گئی
 اپنی بچپن میں سسٹی ہوئی کہانیوں کے ساتھ ساتھ خود اپنی طرف سے وہ نئی نئی
 کہانیاں لکھنے لگا اور بہت جلد ان کہانیوں کا جرمن زبان کے ساتھ دوسری زبانوں
 میں ترجمہ ہونے لگا۔

دس سال کے عرصے میں وہ اس قدر مقبول ہو گیا کہ لوگ، اس قدر روک روک کر آتے اس کی کہانیوں پر سہا کہہ دیتے تھے وہ کہتے کہ تم نہ صرف بچوں کا بلکہ چاہا بھی دل بہلا سکتے ہو۔

پھر اس نے جرمنی کے تمام علاقوں کا دورہ کیا آخریاً، فرانس اور انگلستان کی سیر کی۔ جگہ جگہ اس نے اپنے پرستار پائے۔ بے شمار بچوں نے اینڈرسن کو تحفے دیے۔ بزرگوں نے اُسے اپنے گھر بلا دیا اور اس کی پیاری زبان سے اس کی کہانیاں سنیں۔

جب شہزادوں اور بڑے بڑے امیروں نے اس کی تعریف کی تو وہ خوشی سے جہوم اٹھا۔ سخت محنت اور کوشش سے اس نے یہ مقام حاصل کیا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں جو قہر ہے اس نے حاصل کیے تھے وہ ساری باتیں اس نے اپنی کہانیوں میں بیان کر دی ہیں۔ اس لیے اس کی ساری کہانیاں نصیحتوں سے بھر پور ہیں۔

اینڈرسن اپنے آخری ساٹھ تک بچوں کے لیے منجی زبان میں پیاری پیاری کہانیاں لکھتا رہا۔ ۳۴ سال کی عمر میں اسے گاؤں کا سب سے بڑا آدمی کا اعزاز دیا گیا۔ اور آؤس گاؤں چراغوں سے جگہ لگائے گئے۔ اس میں چھ بچے بھی تھے۔ بڑی محنت کی پیشانی گوئی بالکل سچ ثابت ہوئی۔

اُسے کہانیاں لکھنے اور سننے کے کا ایسا شوق تھا کہ اس ڈر سے کہ اس کے اس فن کو دیکھ نہ لگے اس نے عمر بھر شادی نہیں کی اور نہ اپنا گھر بسایا۔ عمر بھر کواہا رہا۔ بس اپنے پرستار بچوں کے درمیان زندگی کا شوق رہا۔

آخر سترہواں میں جب کہ اس کی عمر چتر سال ہو گئی تھی اس نے سترہ لیٹ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بچوں نے اسے بتایا۔ اسے ہمارے پیارے اویس

کہاں کی کہانیاں یہاں سے دور دور تک پسند کی جا رہی ہیں۔ جاپان اور ہندوستان کے بچے بھی آپ کی کہانیوں سے مزے لے رہے ہیں۔ دنیا کی تقریباً ساری زبانوں میں آپ کی کہانیوں کے ترجمے ہو چکے ہیں اور ہر زبان میں آپ کی کہانیاں منجی اور چرمنی جا رہی ہیں۔

استغاثن کرا بڈرسن نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

تم اس درخت کے اوپر چڑھ جاؤ تو اوپر نہیں ایک بہت بڑا سوراخ ملے گا، اس بات پر
سوراخ کو تم اس میں گھس سکتے ہو، اگر تم اس سوراخ میں، رینگ کر درخت کی تہ
تک پہنچ جاؤ۔ خدا۔ تم فکر مت کرو میں تمہاری فکر سے ایک نئی بات دہیں گی تاکہ
جب تم مجھے پکارو تو میں تمہیں فوراً اوپر پہنچا دوں۔

مگر میں درخت کی تہ تک پہنچ کر کیا کروں گا سپاہی نے پوچھا۔

کیوں تم وہاں سے بہت ساری دولت اٹھاؤ گے، جیسے ہی تم درخت کی
تہ میں پہنچو گے، وہ بولی: تمہیں وہاں ایک بہت بڑا ہال ملے گا خوب روکھن
اس ہال میں ایک دو تین سو چراغ مل رہے ہیں۔ یہاں تمہیں دو دروازے
نظر آئیں گے، فکر مت کرو۔ ان دو دروازوں کو تم بہت آسانی سے کھول سکتے ہو ان
دو دروازوں پر قفل ہیں مگر وہیں کھلیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ پہلا دروازہ کھولو گے تو ایک
کمرے میں پہنچ جاؤ گے، اس کمرے کے درمیان پر ایک صندوق ہو گا جس پر ایک
ٹٹا بیٹھا ہو گا۔ اس کے نیچے آٹھ تیر تیر تیر ہیں، جیسے چاہے گی یہاں یہاں، تم
ٹٹا نہیں میں تمہیں اس فرفل (بچہ) دوں گی تم اس فرفل کو فرفل پر بچھاؤ اس پر
پلک کر سکتے ہو پھر لیتا اور اس فرفل میں بیٹھ لیتا آٹھ تیر تیر تیر ہو گا، پھر صندوق
کھول کر جتنے سونے پاؤ نکال لانا اس صندوق میں صرف تانے کے سونے ہوں گے
اگر تم پانچویں کے سونے چاہتے ہو تو تمہیں دوسرے کمرے میں جانا ہو گا، کیا سمجھے، اس
دوسرے کمرے میں جو کشت تمہیں ملے گا۔ اس کی آٹھ تیر تیر تیر کے پتھروں کے برابر
ہوں گے، یہاں بھی تم نہ ڈرنا، اس کو بھی تیری سے میرے فرفل میں باندھ لیتا اور
انہوں سے صندوق کھول کر جتنے چاہو سونے لے لیتا، اگر تم پانچویں اور تانے کے
سکھوں کے ساتھ ساتھ سونے کے سونے بھی چاہتے ہو تو پھر تمہیں دوسرے کمرے
میں جانا ہو گا، میرے کمرے کے صندوق پر جو کشت بیٹھا ملے گا وہ تو بہت ہی خوشگ

جادو کا ڈبہ

بہت دنوں کی بات ہے کہ ایک سپاہی صاحب سرنگ پر لٹ، اسٹ لٹ
دانت کرتے پتھر چارہ تھے اور کس شان سے کہ ان کی پیٹل پر ایک بڑا سا جھولا
تھا اور ہاتھوں میں تھوڑا سا ڈبہ، یہی تھی۔ یہ کئی جنگوں میں حصہ لے چکے تھے اور اب کمر
فوت رہے تھے۔

چلتے چلتے ان کی ملاقات ایک بوڑھی جادوگر سے ہوئی، تو یہ جادوگر نے
سے پتھر تک ایسی فٹائی تھی کہ وہ سب نہیں صرف اس کے نیچے ہونٹ ہی کو دیکھ تو
وہ بڑی طرح ڈبک کر اس کے سینے تک آ گیا تھا۔

سپاہی صاحب کو دیکھ کر بوڑھی جادوگر نے بولی۔ واہ۔ واہ۔ واہ، کیا شان
سے کیا پتھر، اتوار ہے، واہ کیا بڑا جھولا ہے، پتھر پر تم ایک سپاہی ہو، تمہیں تو
وہ ساری دولت ملنی چاہیے جس کی تم آؤ کر سکتے ہو۔

سپاہی صاحب بولے۔ مجھ پر بہت بہت مشکرو۔

پھر بوڑھی جادوگر نے سرنگ کے کنارے ایک بہت بڑے پتھر کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ تم اس درخت کو دیکھ رہے ہو یہ اصل میں کھوکھلا ہے اگر

سپاہی بولا: "ہاں ہاں تم مجھے اور کچھ بچو۔"

بادشاہ نے سپاہی کو اور کچھ بچا لیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد سپاہی اور سرنگ پر تھا۔ بادشاہ کوئی "لاڈھے دوست" نہ تھا۔

کاؤتہ دے دو۔

سپاہی بولا: "اے وہ کاؤتہ تو میں دہیں دست کے بچے بھول گیا۔ تمہیں

اس سے کیا کام تھا؟

بادشاہ کوئی "تمہیں اس سے کیا کرنا ہے وہ کاؤتہ مجھے دے دو۔"

سپاہی بولا: "اس کاؤتہ سے کیا کام لینے والی ہو پہلے یہ بتاؤ۔"

بادشاہ کوئی بولی: "یہ نہیں تمہیں ہرگز نہیں بتاؤں گی۔ بلکہ اصرار کرو گے تو میں

تمہیں آگ کر دوں گا۔"

اب تو سپاہی بہت گھبرایا۔ اس نے فوراً اپنی تلوار نکالی اور بادشاہ کوئی کے

سننے تک اپنی نیزہ تھار سے اس کا سر قلم کر دیا۔

بادشاہ کوئی کا خاتمہ ہوتے ہی سپاہی نے چند "فرغل" اٹھائے۔ اور

جلدی جلدی پہلے سب سے پہلے اپنے والے شہر میں پہنچا۔ یہ شہر نہ صرف بڑا تھا

بلکہ بے حد خوبصورت تھا۔ اس شہر کے سب سے خوبصورت عورتوں کا ایک گروہ

سپاہی نے حاصل کیا اور حمایت قیمتی کھانا طلب کیا۔ ہاں اب تو سپاہی

بے حد مالدار تھا۔ جسے سونے کے بچے چاہے خرچ کر سکتا تھا۔

بہن کا ایک آدمی اس کے جو قوت کو پالش کرنے کے لیے آیا۔ اس نے

دیکھا اس قدر مالدار آدمی کے جوئے سننے پر اے "اس قدر غریب" دوسرے ہی

دن سپاہی کے لیے نفیس پوشاک اور نئے جوتے آ گئے۔

اب سپاہی شہر کا سب سے مالدار آدمی تھا۔ جیسے ہی لوگوں کو اس کا

آدمی کی خبر ملی۔ وہ بڑے بڑے لوگ اس کے پاس آ گئے۔ دوست بننے

لگے۔ بتانے لگے کہ اس شہر میں دیکھنے کے لائق کیا کیا چیزیں ہیں۔ شہر حقائق

کون کون سے ہیں۔ کہنے لگے۔ آپ ہمارے بادشاہ سے بھی ملے گی ہماری

خوبصورت شہزادی کو بھی دیکھیے۔

سپاہی نے ان لوگوں کی باتیں سن کر کہا: "ہاں شہزادی کو ضرور دیکھوں گا۔

لوگوں نے کہا مگر شہزادی کو دیکھو گے کیسے؟ اُسے آج تک کسی نے

نہیں دیکھا۔

سپاہی نے پوچھا: "کیوں شہزادی کو کسی نے اب تک کیوں نہیں دیکھا۔"

لوگ بولے: "اس لیے نہیں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑے پتھر کے قلعہ میں

بند ہے۔ چاروں طرف پتھر کی دیواریں ہیں۔ پتھریں ہر طرف ہیں۔ شہزادی سے

سوائے بادشاہ اور ملک کے کوئی نہیں مل سکتا۔"

"کیوں؟ سپاہی بولا۔"

"اس لیے کہ کسی نے بتایا ہے کہ اس شہزادی کی شادی ایک معمولی سپاہی

سے ہوگی۔ جہاں ہم اور ہمارا بادشاہ یہ کسی طرح برداشت کر سکتے ہیں؟"

لوگوں کے جاننے کے بعد سپاہی نے سوچا پھر تو اس شہزادی سے ضرور

ملنا چاہیے مگر وہ شہزادی سے کیسے مل سکتا ہے۔

سپاہی دن رات شہزادی سے ملنے کی ترکیبیں سوچتا تھا۔ اور ایک شاندار

زندگی گزارتا تھا۔ اکثر قلعہ میں کوہان اور ناچ گانے دیکھتا۔ شاہی ہاتھوں اور انیس

میں پہل قدمی کرتا اور غریبوں میں روپے خرچ کرتا تھا۔ وہ کہتا: "کتنی بڑی بات

ہے کہ کوئی محبوب ہوا وہ قادی ہو۔"

بیشک اُسے اس کے دوست گھیرے رہتے اور اس کی تعریفیں کرتے رہتے

کہتے۔ آپ سب سے خوبصورت اور شہر کے سب سے بڑے آدمی ہیں۔ اور سہاوی
 روزانہ ان پر خوب خوب دولت خرچ کرتا ہوا تھا۔

اکرا ایک دن وہ بھی اکیلا کہ سہاوی کے پاس صوف خوسنے کے لئے نہ گئے،
 جب اس کی بہر ہوئی وہاں کوئی تو انہوں نے سہاوی کو اس کے شاندا کرے سے نکال
 کر ہوئی کی چست پر ایک چھوٹی سی گٹھیا میں بیٹھ دیا۔

یہاں سہاوی کو معمولی کھا لیا اور خود اپنے جوتے آپ صاف کرنے پر لگے
 اپنے کپڑے آپ دھوئے ہوتے۔ یہ دیکھ کر وہ دست جو ہمیشہ اُسے گھبرے رہتے
 تھے انہوں نے اٹا ہانا چھوڑ دیا۔

جب سہاوی نے اس اپنے دوستوں سے پوچھا کہ اب وہ روز کی طرح کیوں
 نہیں آتے تو وہ بولے "کہا کہ بہت بہت اور چست پر رہے وہاں پہنچنے کے لیے شعلیں
 بہت ہیں ان میں سے وہ ہر چڑھتے چڑھتے ہم حاکم جانتے ہیں۔"

ایک رات سہاوی اپنے گھر سے میں درخشا تھا کیونکہ اس کے پاس
 موم بنی خوسنے کے لیے کھل گئے تھے۔ وہاں سوچتے سوچتے آکر آیا۔ فرار میں میرا نے
 بھرتی کا ایک ڈاٹہ اٹھا تھا۔ شاندا اس ڈبے میں کہ موم خیاں ہیں بار دہشتی کہنے میں
 اس ڈبے سے کہ مدد مل سکے۔ اور ہل دی ڈبہ تو بار بار دہ دہ گرتی رانگی تھی۔

جلدی بھلی اس نے وہ ڈبہ ڈھونڈنا شروع کیا۔ ڈبہ مل گیا تو وہ اس ڈبے کو
 لگا کر دہشتی پیدا کرنے لگا۔ اب تک ایک دھماکا ہوا اور وہ کڑا جس کو اس نے پہلے گئے
 میں دیکھا تھا اور جس کی پیالیوں میں بڑی بڑی آنکھیں تھیں سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔
 اور "کیا حکم ہے آقا۔"

وہ۔ وہ۔ وہ۔ یہ ڈبہ بھی عجیب ہے سہاوی بولا۔ اگر اس ہلو کے ڈبے
 سے بگے رہیں تو کتنی سے تو بچے دولت چاہیے۔

کشا نائب ہو گیا اور اُسے منٹ کے اندر اندر اپنے من میں ایک خیمہ بکڑا ہوا آویڑ
 ہوا۔ اس خیمہ میں تانے کے کچے بھرے تھے۔

نور سہاوی کچھ گیا کہ یہ سچا چاہو کا ڈبہ ہے اگر وہ ایک بار گزرتا ہے تو تانے
 کے سٹخوں والا کٹ اٹھا کہ اگر وہ اس صندوق کو دوبارہ گزرتے گا تو وہ کٹا سکتا ہے
 جو پانڈی کے سٹخوں سے بھرے ہوئے صندوق پر بیٹھا تھا اور جو تین بار گزرتے تو وہ
 کٹا ضرور آجائے گا جو سونے کے سٹخوں کی مخالفت کرتا ہے اور جس کی بڑی بڑی بڑی
 سیسی آنکھیں ہیں۔

اب کیا تھا سہاوی کے پاس پھر سے دولت کے خزانے بھرے مشورہ
 ہو گئے۔ پھر سے وہ اپنے ہوئی کے آئی شاندا کرے میں پہنچ گیا۔ جس میں وہ پہلے
 رہا تھا۔ پھر سے وہ قیمتی اور شاندا کرے پہنچنے لگا۔ جب پرانے دوستوں کو شہر
 ملی تو ایک بار پھر اس کی تعریف کرنے کے لیے موجود ہوئے۔

ایک دن اپنے شاندا کرے میں اٹھنے بیٹھے سہاوی نے سوچا کہ کسی عجیب
 و غریب بات ہے کہ بے حد حسین شہزادی کو اب تک کوئی نہیں دیکھ سکا ہے کتنی
 خرم کی بات ہے کہ اسی خواہصورت شہزادی پھر کے قلعہ میں رہنے ہے اور اس
 کے اطراف اڑتی اڑتی وہاں رہتی ہیں۔ لیکن میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اور دیکھوں
 گا۔ اور اگر میں اسے پاس لایا تو کیسی عمدہ بات ہوگی۔

نور اٹھا اس نے نگری کا وہ ڈبہ جس پر حیرت انگیز لگا ہوا تھا نکالا۔ صرف
 ایک بار ہی اس نے ڈبے کو گزرا ہوا کہ وہ کشا جس کی آنکھیں پانے کی پڑیا ہیں
 کے برابر تھیں سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ بولا "کیا حکم ہے آقا۔"

سہاوی نے کتے کو دیکھ کر کہا۔ اس بار تم کہہ دے کہ آئے ہو میرے کوئی
 بات نہیں میں چاہتا ہوں اس حسین شہزادی کو دیکھوں جو اونچی اونچی دیواروں کے

پھر کے لئے جس بہت سے عورت ایک فنٹ کے لیے۔

انسانیت ہی نکتہ باہر پکارا رہی جا رہی ہے، دھماکہ دہرائے گا، ہوا کا گھٹنا کو صبر
 گیا ہے کہ گھٹنا آج موجود ہو۔ اس کا پیٹ پر ٹھہرادی سود ہی تھی۔ وہ۔۔۔ پتا ہے وہ اتنی خوشیت
 تھی کہ دیکھنے والا۔ ایک ٹکڑی میں چمکان دیتا تھا کہ وہ ٹھہرا دی ہے سچائی ہے تیار۔
 ہو گیا اس نے ایک سچے سچائی کی طرح، تنہا کہ ٹھہرا دی کا ہاتھ جوڑ لیا۔

اب سب سے بڑی شہزادی کا ہاتھ بھی طرہ پر سے مل گیا نہ پایا تھا کہ گشت شہزادی کو لے کر فرار ہو گیا۔ کیوں۔ ایک منٹ ہو چکا تھا۔

دوسرے دن صبح ہوا تو اورنگ زیب کے ساتھ ہاشمہ کرتے ہوئے ظہر پڑھ رہی تھی۔ رات میں ایک بل غیب و طرب خواب دیکھا ہے۔
نگہ نے پوچھا تو کیا؟^{۱۵}

شہزادی بولی کہ میں ایک بہت بڑے کشتے پر سوار جا رہی ہوں، ایک
سپاہی نے جھنگ کر میرا ہاتھ چوم لیا۔

مکمل ہے۔ یہ تو ڈاکٹر اپنا دوا ہے۔

مگر ملک بڑی خوشیاں دیتی تھی۔ اس نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا مگر چند روز میں اس کو
فلک میں حضور کو لے کر وہ سات چہرہ بڑی کی دیکھ کر بھال کر رہا اور یہ شہر ساتھ دیکھ کر اصل
میں وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ شہر ایسی کاکوئی خواب ہے یا کچھ کوئی کشتہ واپی
آتا ہے۔

دوسری بات آئی تو سہا ہی نے پھر نئے کو کھلایا اور شہزادی کو لانے کے لیے بکھرا۔ ٹکٹ جس قدر تیز ہو سکتا تھا دوڑا بھاگ گیا اور شہزادی کو لیے واپس ہوا۔

ایک بڑی خانہ کے کونے پر بیٹھی اس کو دیکھ کر ایک لڑکی نے کہا کہ یہ تو ایک چمک کا گڑھا ہے اور

اس عبارت کے معانی یہ ہیں: پہلے x کا نشان لگایا اور خود حملہ کو واپس ہونے کی
 خبر دی ورنہ بعد ازاں شہزادی داغوں کوٹ لے سکتے شہزادی کو قتلے میں
 پھونک دیا واپس ہوا تو دیکھا کہ جس گھر میں کتہ شہزادی کو لے کر داخل ہوا تھا وہاں چنگ
 کا نشان بنا ہوا ہے۔ کتہ نے بھی اصرار وصرہ منکر نہ کر چنگ کا ایک ٹکڑا لیا اور
 اپنے ہی نشان بستی کے ساتھ گھر واپس لے بنا ہے۔

دوسرے دن صبح بڑھیا کے گھنے پر بادشاہ اور ملک اپنے دیہاتوں کے ساتھ اس گھر کو دیکھنے کے لیے چلے گئے۔ دیکھیں! رات شہزادی کہاں تھی۔ مگر وہ سب سے دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بسق کے سارے گھروں کے دروازوں پر چاکہ کے نشان بنے ہوئے ہیں ان سب لوگوں نے بڑی کوشش کی کہ پتہ چلائیں کہ شہزادی کہاں جاتی ہے۔ مگر نہیں دیکھ سکی ہوئی۔

مکہ پر بھی بہت ہوشیار تھی۔

اس نے شادی گازی میں چھڑ کر بستی میں اصلی گھروں سے کہی کافی نہیں بگا
 بلکہ اس نے سوئے کی ایک تھیلی کے کریشی پہنے کی بدنامی نہیں کلاٹ کر ایک
 چھوٹا سا بیگ بنایا۔ اس بیگ میں اس نے بہت بدنامی بٹا ہوا آٹا بھریا۔ پھر
 بیگ اس نے چپکے سے شہر کی دیوار کی بند سے اس طرف باندھ دیا کہ اسے بالکل غیر
 نہ ہو۔ پھر رات کو نہ سے پہلے پہلے ٹک نے اس بیگ میں ایک چھوٹا سا بیکر کر دیا۔
 تاکہ اس بیگ سے آہستہ آہستہ آٹا نکلے۔

* نواسا صاحب مانت ہوئی تو دہری گشتا پھرا یا۔ اپنی بیٹی پر بڑے ارسلے شہزادی کو رسوا کر دیا اور دھڑا۔ سچا اپنی اب بیٹی کی شہزادی کو چاہنے لگا۔ وہ چاہتا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ خود کو اپنی ایک شہزادی بن چاہے۔ وہ شہزادہ بن کر اپنی شہزادی سے شادی کر سکتا تھا۔

کشتا شہزادی کو لے آیا سگر وہ نہیں دیکھ سکا کہ خواہی مل سے چاہی کے گھر

گھٹانے کی ناک کھینچتی رہی تھی ہے پھر دوسری میں سپاہی کے گھر سے شاہی محل تک ایک اور آنے کی ٹیکر ہے۔

بس اب کیا اتحاد دوسرے ہی دن صبح سویرے سپاہی کا گرفتار ہوا سولہ بات تھی سپاہی کو جیل خانے میں بند کر دیا گیا اور جیل خانہ بھی کیسا "بے حد تاریک" بیتابگ "نورانا" پھر خوشی خوشی دیر سے جیل خانے کا آدھی آنکھ آسے اور دلا جاتا کہ کل اسے چھانسی دے دی جائے گی۔

سپاہی بڑا پریشان تھا۔

اس کا وہ جادو کا ذوق بھی بولٹل میں رہ گیا اتحاد دوسرے دن جب سورج نکلنا تو سپاہی نے جیل خانے کی کھڑکی سے دیکھا کہ لوگ اس جگہ کی طرف دھڑے دھڑے جا رہے تھے جہاں اسے چھانسی پر لٹکا دیا جائے والا تھا پھر اسے ان شاہی اہلکاروں کی بھی آنکھیں سنسنائی دیں جو سپاہی جہاں جا رہے تھے اتنے کس قدر ہمیز ہو گئی اس سیمینٹر میں ایک نیلایا ہوا تانہ لٹکا ہوا تھا وہاں بھی تھوڑا سا لوگ اس کا ایک سیلچر پھیل کر تھیل خانے کی کھڑکی سے گھرا دیا سپاہی خود ہی بیٹھا سنو سنو بھائی اتنی جلدی رسا لگنے کی ضرورت نہیں جب تک میں وہاں نہیں پہنچ جاؤں۔ وہاں کچھ نہیں ہوگا۔

موتی کے لڑکے نے اپنی دیکھا سپاہی جلا۔ میرا ایک کلام کہو میں جس بولٹل میں تھا اس کے کمرے میں میرا ایک چترخان کا ذوق رکھا ہے وہ اضافہ نہیں نہیں اس کے بدلے سونے کا ایک ستونہ ہوگا مگر میں جتنی جلدی ہو سکے جاؤ اور وہ ڈنڈا لڑاؤ دھڑا۔

موتی کا لڑکا سونے کے تختے کا کام سنتی رہی بولٹل کا پتہ پوچھ کر بھاگا اور فوراً چترخان کا ذوق سپاہی کو لگا دے دیا۔ پھر کیا ہوا معلوم ہے۔ لوہم سنسناتے ہیں شہر کے باہر پہلے چننے میدان میں میں چھوٹی ایک ایسا تختہ تیار کیا گیا جس پر

کھڑک کے سپاہی کی گردن ٹٹ سے کاٹ دی جائے اس تختے کے آس پاس شاہی سپاہی حدود دوسرے ہزاروں لوگ کھڑے ہو گئے ایک طرف شاہی تخت پر بادشاہ اور ملکہ بھی آ بیٹھے بادشاہ اور ملکہ کے سامنے وہاں کے منصف لوگ بھی بیٹھ کر گئے پھر سپاہی کو لایا گیا۔

سپاہی کو چھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیا گیا جلاؤ سپاہی کی گردن کے پاروں طرف دھکی بانٹنے لگے سپاہی بولا۔ چھانسی دیکھنے سے پہلے ہر قیدی کی آخری خواہش پوری کی جاتی ہے۔

بادشاہ کے وہاں جانے پر چھانسی کی آخری خواہش کیا ہے؟
سپاہی بولا۔ "میں حضور صوف ایک پائپ میں تمباکو ڈال کر پینا چاہتا ہوں۔
بس میرا آخری کش ہوگا"

بادشاہ سپاہی کی اس آخری خواہش سے انکار نہیں کر سکا۔ سپاہی نے اپنا چترخان کا ذوق نکالا۔ ایک بار اسے دگڑا دوسری بار دگڑا۔ تیسری بار دگڑا۔ اچانک تین ٹوٹاں گ کے ٹٹ سامنے آکھڑے ہوئے۔ پہلے کتے کی آنکھیں جانے لگی پڑیوں کی طرف بڑی بڑی تھیں دوسرے کتے کی آنکھیں گرتی کے چنگوں کی طرف بڑی بڑی تھیں۔ اور تیسرے کتے کی آنکھیں بڑبڑاں جتنی بڑی تھیں۔

سپاہی نے ان کتوں سے کہا۔ میری مدد کرو "میری مدد کرو" مجھے چھانسی دی جا رہی ہے۔ مجھے چھانسی سے بچاؤ اتنا سنتے ہی کتے "ہاں" کے متعلق اور وہاں پہلے پہلے۔ ان لوگوں کو سمجھوڑ سمجھوڑ کر ہوا میں اتنی ادب اچھا دیا کہ یہ سب بچے گئے تو پاش پاش ہو گئے۔

بادشاہ ان کتوں کو دیکھنے ہی والا تھا کہ ان کتوں نے بادشاہ اور ملکہ کو بھی لپکا میں اچھا دیا۔ سارے سپاہی اور قشاد دیکھنے والے خوف سے لرزنے لگے سب

نے ایک گواز ہو کر پکالا۔ جلد سے اپنے سپاہی پر پیارے سپاہی۔ اپنے ہی دشمن
کو دھوکہ۔ آج سے تم ہمارے بادشاہ ہو اور شہزادی تمہاری ملکہ۔ تمہاری زوجہ ہوگی۔
ہر طرف خاموشی چھا گئی سپاہی کو شاہی محل میں لے جایا گیا یہاں شہزادی
ملکہ من سچائی کا اعلان کر رہی تھی۔ شہزادی نے سوچا پھر کے قلعہ میں قیدی بن کر بیٹھنے
سے شاہی محل میں ملکہ بن کر رہنا کیسے اچھا ہے۔ بہت اچھا۔

بلخ کا بچہ

چاروں طرف ایک عجیب بخار تھا، گریزوں کے دن تھے، کھیتوں میں گیہوں
کی باسیں پاک چکی تھیں۔ درختوں پر ہرے ہرے پھل لٹک رہے تھے۔ ہر طرف
سبز ہی سبز تھا۔ ہر مردہ جگہ جنگے اپنی لمبی لمبی ٹال، انگڑوں پر کھڑے دکھائی دیتے
تھے، انہیں میں اس طرح جڑ بزرگ رہے تھے جیسے سواری بولی بول رہے ہیں شاید
یہ بولی انہوں نے اپنی ماں سے سیکھی تھی، کھیتوں اور سبزہ زاروں کے کنارے جنگل
تھے اور جنگل کے چپوں پر ایک گہری جمیل صفت۔ کسی خوبصورت جمیل ماں کے
میں نہیں تھی جب صبح نکلتا تو سورج کی کرنیں سب سے پہلے گاؤں کے ایک
پترائے گھر پر پڑیں، چر بیل دی سپاہی انہوں سے گزرا ہوا تھا، پھر وہ کرنیں گھر کی
دروازوں سے انہیں توہانی کے کتلوں پر کھاتیں۔ اپنی کے کتلے بے لپے بچوں
دائیں ہودے تھے، ہتھ اور جھازیاں اپنی اونچی اونچی تھیں کہ بچے ان میں آسانی
سے کھڑے ہو کر چپ کر سکتے تھے۔

یہ حقہ ایسا سنسان تھا جیسے جنگل کا کوئی گونا گونا مقام ہوتا ہے اس لیے ایک
بلخ نے اپنا گونسلہ بنانے کے لیے یہ جگہ چنی۔ یہ بلخ بہت داناں سے پہلے ہی

ہی جی جی دوسری کہیں کی اور آجانی ہیں۔ سزا پانی میں ڈرنے کے بجائے
پانی کے کنارے ٹھہر کر ٹپ ٹپ کرتا اچھا بھنکتی ہیں۔

دیکھتے دیکھتے بغلوں کے انڈے بھی پکے شروع ہو گئے۔ انڈے
تیار ہوئے تو پہلے ایک چوہا سا نہ لگا۔ پھر ایک ایک کر کے سارے انڈوں
سے بچے نکل آئے۔

"کونیک کونیک" بلیغ بولی۔ اور سارے بچے ہرے ہرے پتوں سے جس
پر ٹوٹے ہوئے انڈے رکھے ہوئے تھے جھانکنے لگے۔

"اولوہ" ایک بلیغ کا پتہ دولا۔ "یہ دنیا کتنی بڑی ہے بلیغ بولی" تم سمجھتے ہو
دنیا اس اتنی ہی ہے اس سے آگے یا پیچھے سے اور اور کھیتوں سے دور یہ دنیا
بہت بچی ہوئی ہے۔

"میں اتنی بڑا ہو چکی نہیں مگر مجھے معلوم ہے تم سب نہیں دہنا۔ یہ کہہ کر
بلیغ اٹھی پھر بولی۔ اسے میرا سب سے بڑا انڈا تو ابھی تک ایسا ہی ہے یہ
کب تک ایسا ہی رہے گا" یہ کہہ کر وہ پھر انڈے پر بیٹھ گئی۔

ایک طرف سے ایک بڑی بلیغ آتی ہوئی بولی۔ اور جو کسی ہونے
بلیغ بولی "ایک انڈا بڑی در رکھا۔ ہاں ہے شاید یہ ابھی توڑ کے گا نہیں میرے
دوسرے پتوں کو دیکھو توڑے پیادے پیادے ہیں۔"

بڑی بلیغ بولی "یہ ٹرکی انڈا معلوم ہوتا ہے ایک دفعہ میں نے بھی ایسا ہی
دھوکا کھایا تھا۔ ان پتوں نے بھی بڑی ٹھکوت دی۔ پانی سے ایسا نہ تھے تھے کہ
میں خود پانی کے قریب نہیں جا سکتی تھی۔ میں نے انھیں بلایا، لڈایا، دھوکا لگا، اگر
کوئی فائدہ نہ ہوا، ٹھہر جائے نہ انڈا تو دیکھئے وہ۔ ہاں ہاں گئے یہ ٹرکی انڈا ہے،
چھوٹا ایسے آؤ اپنے دوسرے پتوں کو تیرنا سیکھاؤ؟

بلیغ بولی۔ خود ہی در اور اس انڈے پر بیٹھوں گی جہاں اسے دن آندے ایک
دن آندے آسکیں۔

بڑی بلیغ بولی "ہو نہ ہو مجھے کیا کہہ سکی کرو" اور ایک طرف ہی گئی۔
آخر وہ ٹرا انڈا آکر گا۔

"ہپ ہپ" بچے نے انڈے سے سر نہ لگا اور پھر ابرا گیا۔
"اور تمنا بڑا بچہ ہے اور پھر سا بہت بلیغ اسے دیکھ کر بولی۔ مگر یہ بہت
مضبوط "کوئی بچہ ایسا فاقو نہیں، مضبوط ٹرکی سر نہ لگے گا۔ ٹرکی کے ہو، جو بھی ہوگا ہلہ
ہی معلوم ہو جائے گا۔ اب اسے مجھے پانی میں دھکیلا ہوگا۔

دوسرا دن لگا تو موسم اور زیادہ خوشگوار تھا، ہرے ہرے پتوں پر سوئی ہوئی
خاتون سے ٹپک، ہاتھ، بلیغ اپنے سارے لٹانوں کے ساتھ ٹرکی طرف ہی گئی۔

وہ پانی میں تیرنے لگی۔ پھر بولی "کونیک کونیک" آؤ۔ سارے بلیغ کے بچے ایک
کے بعد ایک پانی میں کود گئے پہلے تو پانی اس سب کے سروں پر آ گیا پھر وہ ابھر کر
پانی پر آگئے اور تیرنے لگے۔ سب کے سب تیرنے لگے۔ وہ آخری بد صورت بچہ
بھگوانی پر تھا۔

بلیغ آتے دیکھ کر بولی۔ نہیں نہیں یہ ٹرکی نہیں ہو سکتا، دیکھو تو پانی میں کیسے
اپنے پر چڑھا ہوا ہے خود بخود کیسے تیرنے لگا۔ یہ میرا اپنا بچہ ہے پر پا بہت سیلا
ہے۔ کوئی اسے تو دیکھ سے تو دیکھے "کونیک کونیک" میرے ساتھ کھیرے
بچے میں اس بڑی دنیا میں تجھے لیے چلیں ہوں۔ مگر بیٹے میرے ساتھ ساتھ ہنہ
میں تو کوئی تجھے کچل دے گا۔ اور ہار دے گی سے خود ہار دے گا۔

جب سارے بچے اپنے مقام پر آ پہنچے تو کہہ دوسری بلیغیں سوکھی چلی
کے ایک سر کے لیے لڑی تھیں۔ ہو گیا۔ پانی آئی اور چل کا سارا ڈالے گئی۔

پیادے ہیں۔ اچھا میں چلی ہوں، تم اگر یہاں رہو تو پھل کے سر میں میرے تھے
کاغذ خیال رکھنا ہاں۔

سب کی سب بھینچیں اپنے اپنے گھروں کی طرف ملی گئیں۔ مگر وہ غریب
بلخ کا بچہ جو سب سے آخر میں اٹھنے کے ناول سے نکلا تھا۔ اس کا سچا چچ
بہت بد صورت تھا۔ جیسے سب نے پھینچا تھا، مارا تھا، ستا یا تھا۔ ایک
ڈرکی مرغ کو دیکھنے لگا۔ وہ اس ٹرکی مرغ سے بڑا پریشان تھا۔ یہ ڈرکی مرغ بھی
کے سر پر بال کھنی تھی جو اپنے آپ کو مہلدار کہتا تھا۔ خوب اکڑا کر کر پلٹا
تھا۔ جیسے کوئی بڑا جہاز اپنی پوری دلتا سے پانی پر چلا جا رہا ہو۔ بلیوں کی طرف
جاتے وقت وہ بالکل لال ہو جاتا تھا۔ بلخ کے بچے کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ
کیا کرے۔ اس کی صورت سے اسے بہت ڈر لگتا تھا۔

پھر کسی طرح پہلا دن گزر گیا مگر پھر حالات خراب ہوتے چلے گئے۔ وہ
اس کے سنگے بہن بھائی اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ یہ ہم رہا
گئے تھے۔ ابھی کہنے لگا کہ اسے بی بی کہا جائے، بال بھی کہی کہی تنگ کوئی کہی کوش
تو پیدا ہی نہیں ہوا تو اچھا تھا، وہ مری بھینچیں ہی آئے، بالی تھیں، مریاں اس پر
پونجی چلائیں اور وہ لڑکی جو مریوں اور بھڑوں کو دانہ خانی تھی اسے ملو کہ ماری تھی لگا
بازہ کی طرف دوڑتا تو جھانڑیوں میں سے نفی نفی چیزیاں گھبرا کر اڑنے لگیں
بلخ کا بچہ سوچتا یہ صرف اس لیے ہے کہ وہ بد صورت ہے۔ سب باتوں
کی وجہ یہ ہے کہ میں بد صورت ہوں۔ وہ اچانک دوڑنے لگا۔ دوڑتے دوڑتے
ایک چڑے جیسے تک پہنچا جہاں جنگلی بھینچیں رہتی تھیں۔ وہ ساری رات بھر
فلکیں اور حنا کا شکار کرتا رہا۔

مچا ہوئی تو جنگلی بھینچوں نے اسے دیکھا، بڑھیں، اسے تم کوئی ہو؟

بلخ اپنے پیروں کو چٹکا کر بولی، دیکھو چڑو دنیا کا یہی طریقہ ہے، بلخ کو خود
بھی پھلی کا بٹنا ہوا سب بہت پسند تھا پھر بولی چلو۔ اپنے پیروں پر چلو پاس
پاس چڑو کھو اور چلنے چلو۔ اس بڑھی بلخ کو دیکھتے ہو۔ بڑے شریف مسلمان
کی بچا، ہسپانوی خون ہے۔ دیکھنے اور طور طریقوں ہی سے پتہ چل جاتا ہے اور
دیکھو اس کے پیروں پر سرخ چھلی بھی ہے۔ یہی اس کے بڑے بہن کی نشانی ہے
ہر شاعر بلخ کے پیروں پر ایسی ہی سرخ کھال ہوتی ہے۔ دوسری بلخ، دوڑ سے
بولی، یہاں بھی پھر سے تیار ہے ہم بھی بہت جلد زیادہ سے زیادہ ہو جائیں
گے۔ اسے یہ بد صورت کون ہے ہم تو اس کو نہیں چھوڑیں گے۔ اور فردا ہی ایک
بلخ نے اڑ کر اس بد صورت بچے کی گردن پر کاٹ لیا۔

بلخ بولی، اسے آگے چھوڑو، وہ کسی کو نہیں چھینے چھینے تو تم لوگ اسے کیوں
ستلے ہو؟ ہاں پھر وہ کتنا بڑا اور بد صورت ہے؟

پھر وہ بڑھی بلخ جس کے پیروں پر بال کھال تھی بولی، تمہارے سب
ہی بچے اچھے ہیں سوائے اس کے۔ ذرا اس کو اچھا بناؤ تو بہتر؟

بلخ بولی، ہاں یہ تو ہے یہ خوب صورت نہیں ہے مگر بے بہت اچھا خوب
تیرتا ہے نہیں تو کہوں گی تم سب سے اچھا تیرتا ہے بہت جلد وہ بھی
خوب صورت ہو جائے گا۔ بہت بڑا نظر آتا ہے تو کہہ دوں بعد چھوٹا بھی نظر
آئے گا۔

یہ کہہ کر ماں نے اپنے بچے کو پیادے اس کی گردن پر طنوگ ماری
پھر اس کے سر پر جام کر پر صاف کرتی ہوئی بولی۔ یہ غریب بچے خوب مضبوط لگے
گا دیکھنا تم، ہاں اس کی طرف کوئی نہیں اڑے گا۔

بڑھی بلخ بولی، مگر بھی تمہارے دوسرے بچے بہت اچھے ہیں۔ بہت

بیچ کے بچے نے بڑی عازری سے کہا: "میں یہ نہیں ہوں۔"

جنگل بھٹیں بولیں "چم چم" تم بہت بد صورت ہو۔ سر ہلکا کیا ہے یہی کوئی
قبیلے خاناں میں شادی کر کے غصہ ہی ہے۔

جسے چارہ غریب بیع کا پتہ تھا۔ اس نے شادی کی بات تو کبھی سوچ ہی نہیں تھی۔ وہ تو چاہتا تھا اس بائیس ہائی کے کاندے اگلے دھال بی بی میاں پر آرام سے بیٹھا رہے اور چٹھے کا شہنشاہ پانی پیے۔ اور اسی لیے وہ دن تک اس کی چٹھے کے کاندے مضرب رہا۔

نہرے دانی دو جنگلی قازانیں، انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا یہ بھی ایسی ہی پسیدا
 ہوئی ہیں۔ دونوں قازانیں لڑیں تم بہت بد صورت ہو مگر ہمارے ساتھ دو سڑے
 چنے کسے چر کہ زیادہ دو نہیں ہے۔ وہاں کہہ اور قازانیں ایسا پیاری پیاری، جنگلی
 قازانیں، بڑے بڑے سڑے تھے، ہمیں "کرتی" کہتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ اچھا موقع
 ہے تم اپنے لیے ان میں سے کوئی بونا، آتش کرو۔ ہاں چلو، چر تم جیسے بد صورت
 کو کوئی اور نہیں ملے گا۔

ایک نکتہ کی آگاہ ہوئی۔ مصنف پہلی اور دوسری قاضی بی بی مسماس کی بیویوں پر گزریں۔ وہ مریض کی تھیں۔ نکتہ۔ مصنف کی ایک اور آواز ہوئی اور جنگی حادثوں کا جھڑپنا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ ایک اور آواز آئے گا۔

بجوابت یہ سچی کہ وہاں کچھ خبرکاری آگئے تھے۔ اور یہ بند و قبی اہل کچھ چاروں
 طرف پھیل گئے تھے تاکہ وہ خود پر گھسے توڑ میں پیچھے ہوئے تھے کہ ادر اور
 مدغش کی آڑ میں تھے ان کے کچھ کمز میں دودھ چنے کے کنارے لمبی لمبی گھاس
 میں پھیل گئے تھے۔ ان کھنڈوں نے توبہ چارے بلخ کے بچے کو ڈرا ہی دیا، اس
 نے اپنے پرہیز میں سر چھپانا چاہا، اس وقت ایک ٹھڈاؤ ناکش اقرب سے ٹھڈا

اس کھنے نے پہلے تو باغ کے بننے کے قریب اپنی ناگ کی سفید نوکیلے دانت دھکائی
 چرائیکم مڑ کر سستائے بغیر ہست ہست ہلا گیا۔ باغ کے بننے نے ایک لمبی سانس
 لی۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اتنا بدصورت نہیں کہ کوئی مرثیہ بھی مجھے کاہتا نہیں چاہتا۔
 صبر و گماں کی لمبی لمبی پیشوں میں چھینے کی کوششیں کرنے لگا۔

توازن کو آوازیں برابر آرہی تھیں، دونوں کے ختم ہونے تک یہی ہوتا رہا۔
 آوازوں کے ختم ہونے تک بے پادہ گھاسا کی چیخوں سے باہر جھانکنے
 کی جست و خیز نہ کی۔ باہر نکلنے کی کوشش کرتا اور دونوں کی آواز کے ساتھ چھوچھو جاتا
 تھا۔ جب آوازیں ختم ہوئیں تو وہ چٹنے سے نکل کر ہٹا گیا۔ اس قدر حیرت زدہ ہوا کہ
 سٹکا تھا۔ کھیتوں پر سے، سبز نادوں پر سے وہ دوڑ بھاگ نکلا، دھڑکا رہا، دھڑکا رہا۔
 شام کے وقت وہ ایک بڑی پرانی ٹوٹی جھوٹی جھونپڑی کے پاس پہنچا وہ
 جھونپڑی اتنی وسیعہ تھی کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ کب اور کس وقت گر جائے
 مگر پھر یہی وہ جھونپڑی تھی، وہ دانے کا ایک کٹہہ لٹکا ہوا تھا، وہ دانے اور دانہ
 کے بچے ایک بہت بڑا حصہ کھل گیا تھا۔ جب انوکسی قدر تیز ہوئی تو وہ اس
 جھونپڑی کے اندر چلا گیا۔

اس مہینے میں ایک نوکری ملے۔

لڑھکیا کے ساتھ اس جھونپڑی میں ایک دادو اور مرنی بھی رہتی تھی۔ لڑھکیا دادو کو جو بار بار اپنی زبان سے اپنی بیڑھا صاف کرتا تھا۔ بیڑھا بیڑھا پکارتی رہتی تھی۔ وہ جواب میں میاؤں کرتا تھا۔ مرنے کے ڈرے چھوٹے چھوٹے پاؤں تھے۔ شاید اسی لیے لڑھکیا اس کے پیچھے پکارتی تھی۔ مرنے پر خوب اٹھے دیتی تھی اور لڑھکیا بھی اسے دادو کی طرف جاتی تھی۔

دوسرے دن بھی ہونے ہی ہوا۔ بیخ کے پتے کو دیکھ کر مہاؤں مہاؤں کرنے

لگا اور مرنے والی اس نے جہاں کو دیکھا کر کرنا کرنے لگی۔

"کیا بات ہے بچو! اڑسیا چلوں غرت دیکھتے ہو کے بولی۔ اسے ہمیں مسرنا دکھائی کسی نہیں دیتا تھا۔ بڑی مشکل سے جب اس نے بلیخ کے بچے کو دیکھا تو بولی۔ اور جو۔ راستہ بھول گئی ہو۔ تم تو غلط ہیں۔ اب بچے بلیخ کے انڈے میں نہیں لگے کہیں یہ نہ خراب ہو۔ جیسے دیکھوں گی انڈا میں کیا رکھا ہے۔ اٹھا کر دیں گی بلیخ کے بچے نے تین بجتے دیرا تھمیا کی جھونپڑی میں گڈا رہے۔ انڈا بولی اب انڈوں کی آس دیکھا ہے۔ بلاؤ! اس گھر کا مالک تھا اور مرنے والی اس گھر کی مالک۔ ستر دوڑوں میں لڑائی نہیں ہوتی تھی۔ دو قس مل کر کہا کرتے تھے یہ جھونپڑی جلدی ہے۔ یہ بھاری دنیا ہے۔

بلیخ کا بچہ بولا۔ "نہیں"

تو پھر پچھ رہا۔

بلاؤ بولا تو پھر پچھ رہا۔ وہ سمجھ دار بہتیاں بات کر رہی ہوں تو پچھ میں نہیں رہنا چاہیے۔

میں صاحب بلیخ کا بچہ ہے چلا اور اس کو کہ ایک کو نے میں بیٹھ گیا بیٹھا رہا۔ رخصتا رہا۔ یہاں تک کہ اپنا نکاح تیار ہوا کا ایک جھونپڑی کے اندر آیا اور وہ سوپ چمکے بلیخ۔

بلیخ کے بچے کے دل میں ترسنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ وہ بولا چلو ایک طرف بٹو۔ مرنے والی "پچھ پچھ" کہتی رہی وہی۔ تم انڈے دے سکتے ہو اور دنیا کو

میاں کر سکتے ہو۔ بھول ہاؤ سب نہیں۔

بلیخ کا بچہ بولا۔ میرے میں جو مزہ آتا ہے وہ تم کیا ہاؤ سب ہاؤ سرے سے گڈا ہے اور تم غلط لگاؤ کی تو بہت مزہ آئے گا۔

مرنے والی "غریب یہ غریب مزہ ہے تم دلو اسے تو ابھی سے مت دلو ہاؤ بلاؤ! سے کہو جو کہنا ہے"

"بلاؤ سے ۹"

"ہاں وہ سب سے زیادہ سمجھ دار ہے پچھ اس سے کیا وہ تیرا پاسد کرنا ہے یا کہیں پانی کی تھم میں غلط لگاؤ پات ہے۔

بلیخ کا بچہ سوچنے لگا۔

ایچا نا بڑی دانس سے پچھ وہ بھی تو بہت عقلمند ہے کیا وہ تیرا پاسد کرتی ہے اور کیا وہ چاہے گی کہ پانی اس کے سر سے گزر جائے۔

"اور تم نہیں سمجھو گی" بلیخ کا بچہ بولا۔

"ہم کیا نہیں سمجھیں گے بات دراصل یہ ہے کہ تم اپنے کو اس بلاؤ سے بھی زیادہ عقلمند سمجھتے ہو۔ کیا تم اس بڑھیا سے بھی زیادہ سمجھدار ہو" جیسے پچھو اور میسا کیا ہے پہلے تو تم ان سہراؤں کا مشق لہا کر ہو تو کہا اسے ساتھ کی نہیں اس کا تم

ایک نہایت عمدہ گرم کرتے میں نہیں رہے" تم نے ہلے ساتھ چاری سوسائٹی میں رہ کر کیا نہیں سیکھا اصل میں تم بہت باتوں ہو" اور بالکل بورڈ نہیں نہیں

تم بڑا مت ملاؤ میں ہو کہ کہہ رہی ہوں پچھ کہہ رہی ہوں ہو سکتا ہے کہیں بڑی سٹے بچی دوستی کا بھی یہی فرض ہے پہلے آؤ ایک بار پھر میں تم سے کہتی ہوں اگر نہیں کہہ کر دکھانا ہے تو اپنی بڑھاپ صاف کرنا سیکھو یا پھر انڈے

دینا سیکھو۔

بلخ کے چنے نے ساری باتیں سن کر کہا "اے میں تو سمجھتا ہوں بلکہ اس بلخی
 چوڑی دیکھا نہیں کہ کرنے کے لیے نکل جاتا چاہیے۔
 مرنی ہوئی۔ تو پھر وہاں انھیں کس نے دیکھا ہے وہ کس بات کی ہے۔
 تو میں چنانچہ بلخ کو چل نکلا ہوا چل پڑا جھونپڑی سے کچھ ہی دور گیا ہوا کار
 اسے پانی ملا۔ پچھپ سے دو پانی میں کود پڑا اور مزے مزے سے تیرنے لگا۔
 تھک کر غوطہ بھی لگایا۔ دوسرے تیرنے والے جانور اور اُدھر سے گزرے ہلے ہلے
 تھے شاید اس کی بدحوالی کی وجہ سے کوئی قریب نہیں آتا تھا۔
 پھر تھوڑے عرصے کا موسم آگیا۔
 وہ انہوں کے چنے چنے اور ہادی ہونے لگے۔ ہوا سرسرائی ہوئی ان چنے کے
 اوجھٹنا چاہنے لگی۔ چنے بھرنے لگے۔ جو اُدھر ہو گئی۔ برہنہ لگنے بادل چھانے لگے
 کوئی دھنوں کی بھینوں میں چسپ کر کو کھانے لگی۔ بلخ کا چنے یہ سب کچھ دیکھ کر حیران
 ہوتا گیا۔
 ایک شام سب سوئے غروب ہو رہا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی جھانڑوں سے برہنوں
 کا ایک غول نکلا بلخ کے چنے نے ایسے رنگ برنگے پیادے پرند بھی دیکھے
 دیکھے تھے۔ کچھ پرندوں کی کانیاں سفید اور چمکدار تھیں۔ مٹی مٹی گزری تھیں یہ خوبصورت
 نہیں تھے۔ جب یہ اپنے سفید سفید بے پر سیاہی کر چکے تھے تو انہیں بچلے بچلے تھے
 واصل یہ جس سرد علاقوں سے انکار گرم علاقوں کی طرف ہل رہے تھے پھر یہ جس
 اونچے اُتے لگے۔ اونچے اُتے لگے اتنے اونچے کہ بلخ کے چنے کی نگاہوں سے
 باجھل ہو گئے ان جہنوں کو دیکھنے کے لیے وہ پانی میں اتر گیا اور پیسے کی طرح گول
 گول گھومتے لگا۔ گردن پادوں طرف گھوم رہی تھی مگر جس آہستہ آہستہ غائب ہوتے
 ہلے تھے۔ جس جیسے جیسے بلند ہو رہے تھے عجیب عجیب آوازیں آنی پھری تھیں۔

بلخ کا چنے سوچنے لگا میں اس خوبصورت پرندوں کو کبھی نہیں پہچان سکتا یہ نہیں ہو گیا
 ہل رہے ہیں۔ کہاں ہل رہے ہیں۔ مگر میں بڑے ہیاد سے۔ ایسا پیاد اُسے کس پرند
 پر نہیں آیا تھا۔ پھر اس کے دل میں ایک خواہش جاگی۔ کاش وہ بھی ایسا ہی ہوتا یہاں
 ہی خوبصورت اس قدر خوبصورت بننے کے لیے وہ اپنے رہنے کے تمام اور اپنے
 سارے ساتھیوں کو چھوڑ دینے کے لیے بھی تیار تھا۔

جب جس غائب ہو گئے تو اُسے پتہ چلا کہ پانی ہے وہ مستند ہے اتنا مستند
 کہ وہ اپنے آپ میں گری پیدا کرنے کے لیے تیز تیز دوڑ گول گول تیرنے لگا۔ گری
 لانے کے لیے اُسے خوب ہیر چلانے پڑے تھے۔ آخر کار وہ خشک گیا اور
 سڑی سے اکڑ کر یسٹ گیا اور اس کے پادوں طرف برف پڑی برف چلی۔

کچھ دنوں کے بعد اُدھر سے ایک آدمی گذرا اس نے جو بلخ کے چنے کو دیکھا
 ہل رہی ہل رہی اپنے لکڑی کے بنے ہوتوں سے چٹا اس پاس کی برف بٹائی اور چنے
 کو اٹھایا۔ کچھ دن ہوئی تو چنے کے تم ہوئے میں وہ نہ ملتی۔ اس آدمی نے خوش
 خوش سوچا میں اس چنے کو لے جا کر اپنی بوائی کو دوں گا۔

گھر پہنچے اسی بلخ کے چنے میں نئی ہلانی آگئی جیسے ہی اسے گود سے اٹھا لیا
 گھر کے چنے اس سے کھیلنے کے لیے پکے۔ یہ جھانڑ سب بچے خستہ تھے تو یہ ہیں۔
 بلخ کا چنے ڈر کر چلے دودھ کے برتن میں کود پڑا۔ سارا دودھ اوپر اچھل پڑا۔ اس
 آدمی کی بوی تھپاہاں بھائی ہوئی دواڑی اٹھ چکے تھے۔ اس کے آئے آئے تک
 بلخ کا چنے مسکے کے برتن میں اونچا چٹکا تھا۔ مسکے کے برتن سے وہ کاسے کے
 زرخوں کی طرف ہل گیا اور پھر باہر۔

موت نے بلخ کے چنے کی طرف چٹا پھینکا اور چنے اس کے پیچھے
 اسے پکھلے دھڑکے چنے پکھلے کے لیے بلخ کے چنے کے پیچھے چلے گئے

تھے ہنس رہے تھے۔ وہ خود اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا کہ وہ اس کا بھائی تھا۔ وہ بھائی بھائی
 سے کہتا تھا کہ بھائی بھائی! وہ کہتا تھا کہ بھائی بھائی! وہ کہتا تھا کہ بھائی بھائی! وہ کہتا تھا کہ بھائی بھائی!
 مگر بھائی کے بچے نے اس گھر سے نکل کر بہت تعلیمیں اٹھائیں۔ سارا سارا
 کاغذ اس نے ہی سمجھ لیا تھا۔ ایک دن ایک چٹے کے کتے کے لمبی لمبی
 ٹھاس پر وہ لیٹا ہوا تھا۔ اچانک دھچک لگی آئی۔ ماس پر نکلے گئے۔
 پہلا کاغذ ٹوٹ گیا تھا۔

بھائی کے بچے نے اپنے پیسے کے لیے پڑھنے اس نے مسوں کیا کہ اس
 کے باوجود اب پہلے سے زیادہ مشہور ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کو جھٹکا جھٹکا کر
 پھینکے گا۔ ابھی کہہ رہی تھی۔ چلا تھا کہ وہ ایک بہت بڑے بارگ میں بیٹھ گیا۔
 سب کے درختوں پر کچھ عجیب جہاز آئی ہوئی تھی۔ ہر طرف خوشبودار پھول
 دی پھول تھے۔ درختوں کی ہری ہری لمبی شاخیں شہروں میں بھول رہی تھیں۔ ہر چیز
 خوبصورت سی ہو گئی تھی۔ پھر پھر ہر طرف جہازیں بہا رہی تھیں۔

جہازوں میں سے تین پیادے ہمارے ہنس لگے انہوں نے اکڑا کر اپنے
 سفید پر پیٹلے پھر نہر میں ایسے ڈام سے جرنے لگے کہ ہر دھچک والے کا دل
 خوشی سے بارگ بارگ ہوا۔ بھائی کا بچہ ان ہنسوں کو جانتا تھا۔ اس کا دل اور اس
 ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ شاید یہ ہنسوں کو جہازوں سے کسی طرح اڑا رہا تھا یا سچے ہندو
 ہندو کے لڑائیں گے۔ میں بدصورت ہوں تاہم خود مجھے لڑا لیں گے۔ اچھا ہے
 اگر مجھے لڑا لیں۔ دوسری بھٹیوں کے سستانے، مرغیوں کے چرچہ مارنے، داد
 ڈالنے والی لڑائی کے ٹھوکروں پر لگانے اور تالاب کی سروی میں اکڑنے سے تو یہ شاید
 ہر ہندو کے ہاتھوں لڑا جاتا ہی اچھا ہے۔

وہ پانی کی طرف اڑا اور ہنسوں کی طرف جبرے لگا۔ ہنسوں نے بھائی کے بچے

کو دیکھ کر اس کی طرف بڑبڑا شروع کیا۔ بھائی کا بچہ خود سے لگا۔ مجھے لڑا لڑا
 کہہ کر اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ مجھے بھائی کے بچے نے اپنا سر جھکا لیا
 پانی میں اپنا سر نہ نہڑا۔ مگر بھائی کا بچہ سر نہ دیکھ کر جھڑپ ماری۔ اس کا سر
 گھبراہٹ سے اڑا نہیں تھا۔ یہ تو ایک ہنس کا سر تھا۔ خوبصورت ہنس کا اس
 نے سوچا کیا میں پھر بھائی ہنس ہو گیا ہوں۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہ بھٹیوں کے ٹھنڈے ہنس کا اڑنا سیکھا ہائے۔
 وہ بھائی بھائی تھا۔ وہ بھائی کا نہیں ہنس کا اڑا تھا۔

بڑے ہنسوں نے خوش خوشی قرب آکر اسے جھڑپا۔ اب وہ بہت خوش
 تھا۔ ایک طرف اس نے دیکھا تو کچھ چھوٹے چھوٹے بچے باغیچے میں لڑ رہے
 تھے۔ پھر انہوں نے اس کی طرف اڑنے کے دانے لہرائے۔ وہ ان کے گڑے پہ بیٹھ
 ان بچوں میں سے ایک نے لپکا۔ دیکھو ایک نیا ہنس ان ہنسوں میں آ گیا
 ہے۔ دوسرے بچوں نے کہا

"ہاں ہاں ایک نیا ہنس آیا ہے" اس نے ہنس کو دیکھ کر بچے ہنسوں
 بھانے لگے۔

بھائی بھائی کہ ان بچوں نے اپنے والدین کو لپکا اور انہوں نے ہنس کے
 ہاتھ میں ہتھکڑیاں پہر کیا تھا ایک کے گڑے اور وہ ان کے گڑے
 پانی میں بیٹھ جانے لگے سب ہی کہنے لگے۔ نیا ہنس بہت خوبصورت ہے
 سب سے زیادہ خوبصورت ہے کتنا جوان، کتنا حسین! بڑے ہنسوں نے
 اس کے آگے سر جھکا لیا اور ہمدانے لگا لگا۔ اس نے شرار مارا
 اپنے آبلے آبلے پتوں میں چھپا لیا۔

وہ بہت خوش تھا۔ بھائی خوش مگر مفرد نہیں تھا۔ اپنے دل والے

لوگ بھی غور نہیں کرتے اسے یہ تھا کہ کبھی اس پر لوگ کس طرح ہنسا کرتے تھے۔
 اس پر کچے کیسے ظلم کرتے تھے۔ مگر اب سب بیاہ کر کے، بے تھے کہ یہ منس
 سادے پردوں میں سب سے خوبصورت ہے۔ اس پاس کی پیوٹوں کی شائیں
 بھی اس کے آگے سر جھکا دی تھیں۔ سورج کتنا روشن اور چمکدار تھا۔
 اس نے اپنے پر پھر پھڑپھڑائے مگر ان اورچی کی۔ پھر خوش ہو کر بولا۔
 پکا ہے اب میں بدصورت تھا اور آؤ اس صاحب میں نے آج کی خوشی کا کبھی
 خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔
 وہ بہت خوش تھا۔



اصلی شہزادی

کہتے ہیں کسی زمانے میں ایک شہزادہ تھا۔
 شہزادہ چاہتا تھا اس کی شادی کسی شہزادی سے ہو۔ مگر شہزادی اصلی ہو
 اس آند میں اس نے ملری دنیا کا سفر کیا۔ جگہ جگہ ڈھونڈا کہ اسے کوئی اصل شہزادی
 ملے۔ مگر جب کوئی شہزادی ملتی تو کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو جاتی اور شادی نہ
 ہو سکتی تھی۔

ایسا نہیں ہے کہ اسے شہزادیاں نہیں ملیں، بہت ملیں مگر وہ خود فیصلہ
 نہیں کر سکتا تھا کہ اصل شہزادی کون سی ہے کسی لڑکی میں کچھ کسر نکلتی کسی میں کچھ۔
 آخر کار وہ اپنے محل کو واپس لوٹا۔ مگر کسی شہزادی کے۔ بہت اُٹاسا۔ بے حد غصہ
 وہ اصل شہزادی پہنچ رہا تھا۔ اسے اسے اصل شہزادی نہیں مل
 رہی تھی۔

— ایک شام بہت ہی خطرناک طوفان اٹھا —

صوبہ بادل گرے، بھلیاں گز کے گئیں اور تیز باد شروع ہو گئی۔ پہاڑوں
 طرف انھیں پھاٹا گیا۔ اس اندھیرے میں کسی نے محل کا دروازہ غور سے کھٹکھٹایا

ہوئے بادشاہ نے دوا دہ کو لے کر دیکھا۔ ہمارے ایک ہنگامی لڑکی کو لڑی ہے جو کہ پہلے شہزادی ہے اس کو بھی خوف میں وہ بڑی طرح کانپ رہی تھی پانی سے شرابہ کھینچے ہوئے اس کے جسم سے پھٹ گئے تھے اور ہاتھوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

روز سے بادشاہ کو دیکھتے ہی بولی۔ کچھ لمبے میں اصلی شہزادی ہوں اور وہ جلدی جلدی اندر آگئی۔

لڑکی ملکہ جو شہزادہ کی ماں تھی۔ بولی۔ تم اصلی شہزادی ہو یا نہیں ؟ وہ ہم معلوم کر لیں گے۔ مگر کیسے معلوم کیا جائے گا یہ روز ہی ملکہ نے نہیں کہا۔

لڑکی ملکہ جلدی جلدی سونے کے کمرے میں گئی۔ بستر سے اس نے ساری چادریں نکال دیں۔ پھر بستر پر تین بج کر وہ دے پھر لڑکی ملکہ نے ان تین دھڑوں پر ایک ایک کر کے بیٹھ کر دھڑکیں ڈال دیں۔ پھر ان تو خشکوں پر بیٹھ کر وہ دے دے دم گھٹتے دیکھا وہی اور بولی شہزادی آؤ یہاں اس غم بستر پر سو جاؤ۔

دوسرے دن بھی وہی سویرے سویرے ہو کر بادشاہ اور ملکہ دونوں شہزادی کے کمرے میں پہنچے۔ لڑکی ملکہ نے شہزادی سے پوچھا۔ "کہورات کیسے گزری ؟"

شہزادی دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ؟ آپ لوگ پوچھتے ہیں رات کیسے گزری۔ بہت بڑی گزری، میں ساری رات پانچ نہ چھٹا سکی، آنکھیں بند نہ کی تھیں کر سکی، پندرہ بیس میرے بستر کے نیچے کیا تھا کوئی سخت چیز میرے نیچے نہ تھی۔ برابر بچہ رہی تھی، رات بسر میں زخم کالہ اور نیشہا ہوتا تھا۔ بہت تکلیف دی ہے اس سخت چیرنے۔ پت نہیں وہ کیا تھا۔

بات سماعت ہو گئی کہ پہلے وہ اصلی شہزادی تھی بیٹھ تو خشک اور بیٹھ غم غم بستر کے باوجود اسے تین بج کر وہ دے پتے سے پتے پہلے پہلے وہ اصلی شہزادی تھی جو تھی ہموٹی کی جیسے کوئی بڑی طرح محسوس کر رہی تھی۔

شہزادہ کو جب اس کی خبر ملی تو وہ بہت غصہ ہوا اس نے اس لڑکی سے فوراً شادی کر لی۔ اور اپنی ملکہ بنا لیا۔ وہ آخر اصلی شہزادی کو پا چکا تھا۔

پتہ ہے ان تین دھڑوں کو اب شادی یوزیم میں دیکھ دیا گیا ہے جسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ دیکھ سکتا ہے اگر یہ شادی یوزیم سے کسی سے پڑا کے نہ ہوں۔ خیال ہے یا ایک نئی کہانی ہے۔



ننھی ایڈا کے پھول

ننھی ایڈا بولی " میرے پھول تو سر جھانگے :

کی شام یہ کھٹے تر دکھائے تھے ' ادب اس کی یہ مرجھانے پلے ہوا ہے ہیں ، دیرا
کیوں ہے ؟

ننھی ایڈا کا ساتھی ایک طالب علم تھا ' وہ ایڈا کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا
تھا ، ایڈا اُسے بہت چاہتی تھی ، صوف اس لیے چاہتی تھی کہ وہ اسے مزے مزے
کی کہانیاں سننا یا کرنا تھا ، کہا نہیں سننا نے کے ساتھ ساتھ وہ ایڈا کو کاندھ کے
دنگ پر لٹے کھنوسے بنا کر دیتا تھا ، کاندھ کی ناچنے ہوئی عورتیں ' کاندھ کے پھول ' کاندھ
کی کلیاں ' کاندھ کے دل ' اونچے اونچے تھے جن میں درد اُسے بھی ہوتے تھے ایسے
درد اسے جو ہر درد گھل سکے تھے ۔

۔۔۔ وہ بڑا پسند ادا طالب علم تھا ۔

ننھی ایڈا کی باتیں سن کر وہ بولا " ایڈا تم بھائی ہو تو ہمارے یہ پھول ملت کو بیچنے
گئے تھے ، ادب وہ ناچنے ناچنے خٹک گئے ہیں ۔ اسی لیے تو ان پھولوں نے
اپنے سہ جوا لیے ہیں ۔

ایڈا بولی " پلو پلو اب مجھے بناؤ مست " پھول کہاں ناچتے ہیں پھول نہیں ناچتے
طالب علم بولا " وہاں کہاں نہیں ناچتے کہاں " بار بار ناچتے ہیں ۔ جب اندھیرا ہو جاتا ہے اور
جہ سب لوگ سوئے کے لیے پلے جاتے ہیں تو پھول خوشی سے بچے کو پڑتے ہیں اور
ناچنے لگتے ہیں ۔ وہ ہر رات ناچتے ہیں ۔

ایڈا بولی " کیا ناچنے کو ناچنے ہاں کھٹے ہیں ؟
ہاں کیوں نہیں ۔

مگر یہ پورا سہارا ہے پھول کہاں ناچنے کے لیے جاتے ہیں ۔

کیا تم اس شاہی محل کی طرف نہیں آئیں جس میں بادشاہ گری کے دین گذارتا
ہے اس شاہی محل کے سامنے ایک بہت بڑا بارش ہے ۔ یہ بارش ہوش پھولوں سے
بھرا ہوتا ہے ۔

ایڈا بولی " وہاں گریں گی کے ساتھ اس بارش میں گی تھی مگر وہاں تو صرف درد ہی
درد ہے اور شے ہی پتے تھے وہاں پھول تو بچے دکھائی نہیں دے ، بلو نا وہ پھول
کہاں پلے گئے تھے ہمیں آگروں میں بہت پھول کھٹے ہیں ۔

طالب علم بولا " ہاں ایڈا اگر میں بہت پھول کھٹے ہیں مگر وہ سب کے
سب محل میں پلے گئے تھے ۔ جیسے ہی بادشاہ اپنا گری محل چھوڑ کر سامنے دربار میں کے
ساتھ شہر چلا گیا ہے تو مرنے پھول ہی شہر کی طرف دوڑتے ہیں اور محل میں خوب
مزد کرتے ہیں ، بڑا اچھا ہوتا اگر تم محل میں ہی پھولوں کو دیکھتیں ' وہ ہر کام ہمارے
کلب کے پھول شاہی تخت پر بادشاہ اور ملکہ کی طرف رخ جاتے ہیں کنگھی کے
پھول جو ہیں نا ۔ وہ سب کے سب اپنے آپ کو ایک قتل میں کھڑا کر کے اپنا
سر خم کر لیتے ہیں ۔ کنگھی کے پھول سب سے شریف پھول ملتے جاتے ہیں پھر
وہ سب سے لگ بر لگ پھول اندر آنا شروع دوتے ہیں ۔ ادا سے " ننھی پھول "

پہلے پھول "مظفرانی پھول" ملی پھولوں کے ساتھ تاجت اشرف کر دیتے ہیں۔

مظفرانی اور ملی پھول دراصل عمر میں ہیں۔ پہلے بڑے بڑے پھول وہ ہیں جن کا کوئی ساتھی نہیں۔ بے پار سے یہ پھول بس چندوں طرف دیکھتے ہیں کہ ہر جہیز سلنے سے ہو رہی ہے یا نہیں۔

ایڈا بولی یہ تو بتاؤ پھول بادشاہ کے محل میں کب ناچتے ہیں۔

ہوں۔ یہ تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ شاہ اس وقت جب محل کا منتظم بڑی بڑی کہنیوں کا جہیز لگانے محل کے اندر آتا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ محل میں سب شیک شاگ ہے پھول بھی بہت ہوشیار ہیں۔ جیسے ہی کہنیوں کی آن کے کانوں میں پہنچتی ہے سب کے سب چپ ہو جاتے ہیں۔ کچھ اپنے آپ کو دھڑکی پر دھڑکی کے پیچھے چھپا لیتے ہیں۔ یوں عا منتظم اور اصرار دیکھ کر کہتا ہے یہاں تو پھولوں کی جگہ ہی جگہ ہے۔ مگر وہ ان پر بارے بارے پھولوں کو دیکھ نہیں سکتا۔

"بڑی عجیب بات ہے" نفی ایڈا اپنے نقشے نقشے انھوں سے "ایلیاں بھانے لگی۔ کیا میں بھی ان پھولوں کو نہیں دیکھ سکتی۔

ایڈا کا دوست بلا ضرور دیکھ سکتی ہو جب وہی محل کی طرف جاؤ تو بس کمرنگی میں سے جہانگ کر دیکھ لیتا۔ آج میں نے بھی ایسا ہی دیکھا ہے۔ چتر ہے میں نے کیا دیکھا۔ ملی کا بڑا سا پھول ایک موٹے پریشا ہوا تھا۔ محل کی ایک بیگم تھی۔

ایڈا بولی۔ کیا ہر بار کے پھول وہاں جا سکتے ہیں۔ اتنی دور دور تک۔

بے شک جاتے ہیں۔ ارے یہی پھول تو اڑتے ہیں۔ تم نے بڑی بڑی پھولوں کی مثالیں کو نہیں دیکھا وہ کیسے اڑتی ہیں۔ کیا یہ پھول سے کم ہیں۔

پھول بھی اپنے فرائض سے اور اڑتے ہیں۔ ساتھ والے پتے بھرا رہتے ہیں۔

پتے سوچتے ہیں۔ بے پار سے پھول کب تک ہوا سہارا لے رہے ہیں۔ میں گئے انھیں اڑنے دو۔ گھومتے دو۔ تم تو دام بانہوں کی بات کرتی رہو سو سنا ہے دام بانہوں کے پھول یہ بات جانتے ہی نہ ہوں انھیں کیا غم شادی محل میں کس کی خوشیاں ستانی جاتی ہیں۔ میں کچھ کہتا ہوں اب کی بار جب تم بارش میں جاؤ تو کسی نہ کسی پھول کے کان میں کہنا کہ دیکھو محل میں ساری رات پھولوں کا ناچ ہوتا ہے۔ جب تم یہ کہو گی تو تمہاری بات ایک پھول سے دوسرے پھول تک ہوتی ہوئی سارے پھولوں تک پہنچ جاتے گی پھر دیکھنا ایک : ایک دن سارے پھول جن سے اڑا جائیں گے۔ اور پھولوں پر گھبرو رہنے والے دیکھ کر حیران نہ جائیں گے کہ آخر بارش کے سارے پھول کہاں چلے گئے۔

"کیسے ؟" ایڈا بولی : مگر میں جو کہہ سکی پھول کے کان میں کہوں گی وہ

بات دوسرے پھولوں تک کیسے پہنچ جائے گی۔ پھول تو بات نہیں کرتے ؟

ہاں یہ تو صحیح ہے پھول بات نہیں کرتے۔ مگر وہ بات ایک دوسرے کو اشارے ضرور کرتے ہیں۔ ایسے اشارے جو ہر بات بکھا دیتے ہیں۔ کیا تم نے پھولوں کو دوسرا دھر حرکت کرتے نہیں دیکھا ہے جب غمناک ہوا چلتی ہے تو وہ ہر بات بکھا جاتے ہیں۔ وہ ساری باتیں بڑی دم ونگ ایک دوسرے سے کرتے ہیں ایڈا بولی۔ کیا پھول پر گھبرو رہنے والے ان اشاروں کو نہیں بکھا سکتے۔

"کیوں نہیں بکھا سکتے" ایڈا کا ساتھی بولا جسٹو ایک صبح کیا ہوا معلوم ہے نہیں بارش نے میری ایک جنگلی پھول ایک نہایت ہی نفیس گلابی پھول سے اشارے کرنا تھا کہ وہاں تمام بہت خوبصورت باتیں تھیں بے حد پابنا ہوں مگر پھولوں پر گھبرو رہنے والے ان باتوں کو پسند نہیں کرتے وہ فوراً تانی بیکار جنگلی پھولوں کو ہوشیار کر دیتے ہیں۔ مگر تانی بھانے وقت جنگلی پھول کے گھروں سے پتے پھلکی انگلیوں کو لپیٹے

چمکے کے آگے دوبارہ نکالی، جہاں سے کی جڑت نہیں ہوتی۔

"وہ۔ وہ۔ وہ۔ خوب" ایڈا نے ہنستے ہوئے کہا یہ بہت اچھا ہوا۔

حبيب نفی ایڈا اور اس کے دوست میں باتیں ہو رہی تھیں تو ایک دوسرا کیل جو کسی سے ملنے آیا تھا اور پاس ہی محو سفر پر بیٹھا تھا بولا "حالب علم تم کیسی باتیں چنوں کے ذہن میں بھرا ہے؟"

لوٹنے وکیل کو یہ کسی طرح گورہ نہیں تھا کہ حالب علم ہمیں مذاق کی باتیں کرے اور اس پر طنز طعنے سے منہ مٹائے۔ دوسرا وکیل ہمیشہ چنوں اور حالب علموں کو ڈانٹتا دہتا تھا، جب ایڈا آکر سامنے کھائی مشن آکر ایک آدمی دستا پہنچے ہوئے تھا۔ اور اپنے ہاتھوں میں دل لیے ہوئے تھا۔ یا کہیں کسی کہانی میں ذکر آکر جو آدمی ہاتھوں میں دل پکڑا اور استاد دل کا پیر تھا۔ یا کہیں حالب علم کہا کہ کوئی بوڑھی بارہ گری ایک بہت بڑے پچلے پھول کو اپنا ٹھکانہ بن کر رہی تھی اور اس کی ناک پر بکری ہوتی تھی۔ تو لوٹے وکیل کو ایسا مذاق بالکل پسند نہیں آتا تھا۔ وہ کہتا "میاں" اس قسم کی باتیں چنوں کے ذہن میں آتے تھے، یہ کیا فائدہ کیسے دے دے لوگ ہیں چنوں سے یہی باتیں کہتے ہیں، مگر ایڈا تھی کہ اس کو اپنے ساتھی کی باتیں بہت پسند آتی تھیں۔

ایڈا چنوں کی ساتھی چھوٹوں کے بارے میں کہیں کہیں باتیں ہانتا ہے کہیں ان کی باتیں اب تو اسے بھین بھینکا تھا کہ پیسے بچ اس کے چھوٹوں نے اس لیے اپنی گھن ڈال دی تھیں کہ وہ رات بھر ناچتے بچتے شگ گئے تھے۔

نور ایڈا نے چھوٹوں کو گنگے سے لگایا اور اپنے کمرے کی طرف چلی، اس ریز کے پاس پہنچی جہاں اس کے پیارے پیارے کھلے رکھے تھے۔ اس کی گڑیا جھولنے میں محو رہی تھی۔ ایڈا بولی۔ بس اب انہو متونی آن رات تم میرے کھانے میں سوئی گئی کیونکہ جے جاسے چھوٹوں کی طبیعت خشک نہیں ہے اور یہاں ہیں آج وہ تمہارے بستر پر چڑھیں

گئے۔ جو سکتا ہے کل تک اس کی طبیعت خشک ہو جائے۔ یہ کہہ کر ایڈا نے جھولے سے گڑیا نکالی۔ گڑیا نے زبان سے تو کہہ نہیں کہا مگر چھوٹوں کے لیے جھولانہ کی کھنکے پر وہ بوڑھی آنکھوں سے ایڈا کو دیکھنے لگی۔

ایڈا نے چھوٹوں کو گڑیا کے بستر پر لٹا دیا اور بولی۔ بس اب چپ رہو! اور چپ چاپ یہاں بیٹھ رہو۔ میں تمہارے لیے گرم گرم پائے بناتی ہوں۔ تم کل تک بالکل اچھے ہو جاؤ گے۔ یہ کہہ کر ایڈا نے چھوٹوں کے بستر کے اطراف پر سے گھنٹھ سے تار دھوپ آئے۔ جی تو آنکھوں کو تکلیف نہ دے سکے۔

ایڈا ساری شام اپنے ساتھی حالب علم کی کہی ہوئی باتوں پر غور کرتی رہی اور بستر پر جانے سے پہلے کھڑکی کی طرف دھڑی۔ جہاں اس کی تھی نے پردے کے پیچھے پھول سجائے تھے۔ وہ ان پھولوں کے کان میں آہستہ بولی: "میں خوب جانتی ہوں آج رات تم لوگ ناچنے کے لیے کہاں جانے والے ہو، مگر ان پھولوں نے ایسے ظاہر کیا جیسے انہوں نے ایڈا کی کوئی بات نہیں سنی ہو۔

پھر اچانک آدمی رات کو اس کی آنکھ کھل گئی۔
نیند میں کی وہ حالب علم اور چھوٹوں کے خوب دیکھتی رہی۔ اس بوڑھے وکیل کو بھی ایڈا نے خوب میں دیکھا جو اس سے کہہ رہا تھا۔ ایڈا حالب علم تمہیں دھانڈ بنا رہا ہے۔

جب ایڈا کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا میز پر چراغ جل رہا ہے اس کی تھی گھمیری نیند سو رہی ہیں، ایڈا کہہ رہی ہے "کیا میرے پھول اب تنگ متونی کے بستر پر ہیں؟"

ایڈا بستر سے اٹھی اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ دروازہ کھلا تھا مگر آدھا اس نے دیکھا اس کے پھول اور کھلے پیسے کے دیسے ہیں۔ اسی طرح جیسے اس

نے چہڑا تھا۔

پھر اسے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی پیا فوجدار ہے بہت کچھ کچھ اور بیٹھے مردوں میں ایسی بیشی دوس اس نے بھی نہیں سنی تھی۔

اب تو پتا چل گیا میرے پھول وہاں ناپا ہے جوں گے۔ ایذا نے سوچا، مگر میں کیسے دیکھ سکوں گی، وہ اپنی تھی اور ڈنڈی کے خوف سے بستر سے اٹھ نہ سکی، کاش وہ پھول یہاں آجاتے۔ مگر پانچویں طے مردوں میں رہا، ہاتھ، اور برداشت دیکھ کر بستر سے اٹھتی ہوئی آئی اور کمرے کے آگے کھلے دروازے کی طرف چلی۔

وہ تمہارا نئے ہوا ایذا نے وہاں کیا دیکھا۔ دیکھا کہ کمرے میں چراغ نہیں ہے پھر جس کمرہ خوب روشن ہے کمرے کے فرش پر چادریں طرف چاندنی پھیلی ہوئی ہے پھول اور گلاب اور قنداروں میں کھڑے تھے کھڑکیوں میں خالی گداز موجود تھے اور پھول ایک دوسرے کو ہرے پتوں کے قد سے تھامے ہوئے بڑی شان سے ناپا ہے۔ ہے تھمے پیا تو پہ ایک بہت بڑا اندر پھول بیٹھا ہوا تھا۔ اتنا بڑا پھول ایذا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، ہاں اُسے یاد آیا کہ یہ پھول بالکل لٹا کی طرح مست اور اس کی تھیلی تھی، اب پھول ہنس رہے تھے۔ لٹا ہی کی طرح یہ پھول ایک طرف سر جھکا کر پیا فوجدار ہاتھ، اور قندار سے اپنا سر ہلاتا تھا۔

پھر ایک بہت بڑا نیلا پھول آگے بڑھا۔ اس میز کی طرف چلا جہاں ایذا کے کھڑے، رکھے تھے پھر وہ ایذا کے سر کی طرف گیا اور پر دے ہٹا دیا۔ وہاں یہاں پھول لیٹے ہوئے تھے، پر دے کے بیٹھے ہی لیٹے ہوئے پھول دیکھنے پھولوں سے ملنے کے لیے آٹھ بیٹھے۔ ان پھولوں نے یہاں پھولوں کو اپنی طرف بلایا۔ یہ پھول ان تک پہنچ گئے اور خوشی سے ان کی ہی طرح ناپا بن گئے۔ اسی شان سے میرے پھول ناپا رہے تھے۔

بہان کیا ہوا، میرے کسی چہرے کے گردے کی گھڑائی، ایذا نے اس طرف دیکھا، یہ ایک سلاخ تھی، شامہ یہ بھی ان پھولوں کے درمیان آتا رہتی تھی، اس سلاخ سے ایک موم کی گڑیا چسکی ہوئی تھی، گڑیا کے سر پر بہت ہی پسپا دایا بیٹھا تھا۔ بالکل ایسا بیٹھا جیسا وکیل لوگ بیٹھے ہیں جس کے چادریں طرف نہلا اور لال رہی تھا، شامہ سلاخ پھولوں کے پر پہنچنے کے لیے بے تاب تھی اس لیے وہ میز سے نشن پر بھی اٹھتی تھی اور سپاڑیوں کی طرح ناپا، ہی تھی پھول بے چارے نازک، نازک، وہ ہماری قدموں کے ساتھ کیسے ناپا کر سکتے تھے۔

پھر کیا ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے موم کی گڑیا جو سلاخ پر چسکی ہوئی تھی جن بن گئی، ایک لپا پڑا جن، مضبوط، طاقتور، اس نے گردہ آواز میں پکارا۔

جنوں کے ذہنوں میں یہ کون ہے یہ فضول خیالات بھڑا رہے۔

ایذا کو یاد آیا۔ ہاں ایسی باتیں تو بڑھا وکیل کرتا ہے۔ سچ ہی اس جی کا چہرہ بالکل وکیل جیسا پھیلا پھیلا اور مریض ہوا تھا، سلاخ پر کے بچھن کا فائدہ اور پھولوں نے اس جن کے سر میں جینٹلی لی، جینٹلی کا لینا تھا کہ وہ جی ہرے موم کی گڑیا ہی گیا۔

نئی ایذا یہ دیکھ کر اپنی ہنسی روک نہ سکی، ایذا کی ہنسی اس کے ساتھ نہیں دیکھ سکے، سلاخ ہرے ناپا بن گئی، ایسی جیسا سلاخ ناپا بننے لگی بہت ہی باریک ہو جاتی تھی بہت موٹی، کبھی خوب لسی، کبھی بہت چھوٹی، اب سلاخ پھول ناپا رہے تھے۔

پھر میز کی دوا سے ایک دوا دار کشک ہوا، اس میز کی دوا میں لٹا کی گڑیا صوفی بنی ہوئی تھی، اس نے میز کی دوا سے اپنا سر نکالا اور چادریں طرف جھرت سے دیکھنے ہوئے پوچھا: کیا یہاں ناپا ہو رہا ہے؟

انکی جھڑپیں لگی کہ پہول کھیل سے آگے ہیں، شاید یہ پہول شاہی بارگاہ کے تھے۔

پہول وہ پہول جو گلاب کے تھے سہوا کرنا پہننے ہونے تھے۔ وہ دہائی تھے پہولان کے بچے بچے کوئی رنگ کے دھڑلے پہول سرخو کاٹے پٹے آڑھے تھے ساتھ ساتھ ریشہ باہر کی تھا۔ دھڑلے پہول لہریلی بہاڑے تھے۔ کچھ دن کے بعد وہ عربی طرز کے پہول بھی اندر آ گئے۔ "نعلنی" اعلیٰ "پٹیلے" "نعلی" "نعلیل" "موتیا برس" دیکھنے کے رنگ تھے ان کے، "نعلی" پیدا نظر تھا۔

ان دن خوش خوش پہولوں نے ایک دوسرے کو شہر بھر کیا۔ رینی رات کا سلام کیا، اور نعلی ایڈا پھر سے سونے کے لیے اپنے نرم گرم بستر میں گھس گئی۔ دوسری صبح جیسے ہی نعلی ایڈا نے کھڑک پہننے، وہ اپنی اس چھوٹی میز کی طرف گئی کہ دیکھے اس کے پہول۔ وہاں ہیں یا نہیں۔ ایڈا نے پردہ اٹھایا۔ پہول تو وہاں تھے مگر وہ کئی سے زیادہ مڑھلے ہوئے تھے۔ صوفی بھی میز کی دولا میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بہت تھکی تھکی دکھائی دیتی تھی۔

ایڈا نے پوچھا۔ تم کو یاد ہے صوفی، پہولوں نے مجھ سے کیا کیا کھنے کے لیے کہا ہے۔

صوفی اُسے گھونٹی رہی ہیں۔ وہ ایک خطا بھی نہ ہوئی۔

ایڈا نے صوفی سے کہا۔ صوفی تم بہت خراب ہو۔ رات بھر پہول تہہ لے ساتھ ناچتے رہے اور تمہیں ان کی باتیں یاد نہیں ہیں۔ پھر ایڈا نے میز کی دولا سے کورڈ ہڈ کا لٹک ڈال دیا۔ اس ڈھب پر چڑوں کی بیسیادی بیسیادی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اس ڈھب میں ایڈا نے پہولوں کو دکھا اور وہی۔ جس پہول ہوائی جیسے لٹکے گا میں تمہیں بارگاہ سے ہاکر تہہ لے کھنے کے مطابق نعلی چڑیا کے ہنسرے کے پاس لے ہاکر رکھ دوں گی۔ تاکہ تم آٹھ دالے گری کے سوچ میں اس سال سے زیادہ

نعلی سے سونے کے گڑا سے پوچھا۔ کیا تم میرے ساتھ ناچو گی۔ گڑا ہوئی۔ ہاں تم میرے لیے موزوں ہو، پھر صوفی میز پر بیٹھ گئی۔ اس امید میں کہ کوئی پہول اس تک پہنچ کر اس کے ساتھ ناچنے کی درخواست کرے گا۔ مگر کوئی پہول آگے نہ بڑھا۔ وہ گھانسی۔ آہوں۔ آہوں۔ پھر بھی کوئی نہ آیا۔ سوتا خود بخود ناچنے لگا۔ جب کوئی پہول صوفی کے ساتھ ناچنے کو آگے نہیں بڑھا تو وہ دھڑلے سے فرش پر گر پڑی۔ بڑا دھماکا ہوا۔ سارے پہول اس کی طرف دھڑلے ہو چکے تھے۔ کیا ہوا۔ کوئی بوٹ تو نہیں لگی کہیں بوٹ تو نہیں آئی۔

خوش قسمتی سے صوفی کے کوئی بوٹ نہیں آئی تھی۔ ایڈا کے پہولوں نے بڑے اطلاق سے گڑا کا شکر ادا کیا کیونکہ وہ اس کے بستر پر درج تک آرام سے سوتے۔ یہ تھے۔ پھر ان پہولوں نے گڑا کو کھٹ کے دھڑلے پہنچنے لیا۔ وہاں کھینچ لیا جہاں پانڈی پہنچ گئی تھی اور اس کے ساتھ ناچنے لگے۔ دوسرے سال پہول دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔

صوفی بہت خوش تھی اس نے نعلی ایڈا کے پہولوں سے کہا۔ "تم لوگ رات بھر جیسے بستر پر سو سکتے ہو" میں ایک رات میز کی دولا میں سولیوں کی؟

پہولوں نے کہا: ہم تمہاری اس مہربانی کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اب ہم تہہ لے بستر پر سوئیں گے۔ انہیں تکلیف دینی گے۔ کیونکہ کسی طرح کی بیگ تک تو ہم کو غم ہو جاتا ہے۔ نعلی ایڈا سے کہو۔ وہ ہمیں بارگاہ میں دفن کر دے۔ وہیں جہاں ایکسپریڈی چڑیا کا ڈھیر ہے۔ آنے والی گرمیوں میں ہم پھر جاگ جائیں گے۔ اور اس سال سے کہیں زیادہ خوبصورت ہو کر آئیں گے۔

"نہیں۔ نہیں۔ صوفی اور اسس ہو کر ہوئی۔ تم لوگ کبھی ختم نہیں ہوں گے؟"

پھر اپنا تک دھوا نہ کھلا اور بہت سے پہول ناچنے ہوئے اندر آ گئے۔ ایڈا

خوابوں میں کہہ چکا تھا۔

ایقانے جس بھائی کا ذکر کیا تھا۔ اصل میں وہ وہی ہے۔ پیارے
لڑکے تھے۔ جن کے نام تھے۔ جیس اور اذولت ان بچوں کے والد نے انہیں دو
پھولوں کے بڑے بڑے گلہ تھے دیے تھے۔ یہی گلہ تھے دکھانے کے لیے
دو بھائی ایقانے کے ہاں آئے تھے۔

ایقانہ بولی۔ جیس۔ اذولت دیکھو میرے پھول کتنے مرجھا گئے ہیں۔
انہیں مرجھا گئے ہیں۔ پھر بڑوں کی طرف بولی۔ انہیں دفن کرنا ہے۔

دو بڑے سانسے سانسے چلنے لگے۔ اور نئی ایقانہ ان دو بڑوں کے پیچھے
چلنے لگی۔ ہاتھوں میں پھولوں کا ڈبہ تھا۔ ایک نئی سی قبر کھودی گئی اور ایقانے
ان پھولوں کو ایک بار پیار کر کے ڈبے کو گڑھے کی تہ میں رکھ دیا۔

جیس اور اذولت نے اپنے اپنے گلہ تھے پھولوں کی اس قبر پر رکھ دیے
کیا تمہیں اس کہانی پر یقین آیا۔ نہیں آیا۔ یقین آنا چاہیے۔ نئی ایقانہ کہتی ہے
کہانی بالکل سچی ہے۔ اس کو سنا ہے۔ ایقانہ کا خواب ہے۔

مہاراجہ کے کپڑے

پتھر۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہوں پہلے ایک ایسا مہاراجہ بھی تھا جو اپنی
ساری دولت اپنے اپنے کپڑے پہننے پر خرچ کرتا تھا۔ آستے اپنے ہاتھوں کی لکڑ
حق۔ وہ خود بھی تعزیر کے لیے کسی جیلر کو جاتا تھا۔ دشمنی سواروں میں وہ کہیں
باہر نکلتا تھا۔ کبھی کبھی باہر نکلتا بھی تو بس اپنے نئے کپڑے دکھانے کے لیے۔
ان میں ہر گھنٹہ بعد وہ اپنے کپڑے بدلتا تھا۔ جس طرح پرانے مایاؤں کے
باسے میں کہا جاتا ہے کہ ماہر سارا وقت وہاں میں صرف کرتے تھے۔ اس مہاراجہ
کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہو گا کہ مہاراجہ دن رات اپنے سنگھار کے کمرے میں
رہتا تھا۔

مہاراجہ جس شاندار شہر میں رہتا تھا اس شہر کی زندگی بڑی جلیبی تھی۔ روزانہ
سنگھڑوں اپنی رنگ اس شہر کی سیر کے لیے آتے تھے۔ ایک دن آنے والوں
میں شہر میں دو شنگ آ گئے۔ یہ دو بڑے آدمی بڑے دھوکے باز تھے بلکہ انہوں نے
اپنے کپڑے کو ماہر دلا سے ظاہر کیا۔ کہنے لگے ہم ایسے کپڑے بن سکے ہیں جو نہ
صرف عجیب و غریب ہوں گے بلکہ بے مثل ہوں گے۔ ان کے رنگ ان کے

فرمان کی صورت آئے ہوں کے بدلے یہ کہڑے ان لوگوں کو نعرہ بھی نہیں آسکتے
جو اپنے کام میں مالا متقی ہوں گے اور بے وقوف ہوں گے۔

ہوتے ہوتے جب یہ خرمہلدار ہنگ بھٹی تو وہ بولا۔ ہوں یہ لوگ ہیں جو
میرے لیے عہدے پر فائز تھے تیار کر سکیں گے۔ ایسے کہڑے جن میں بہن کر
میں ان لوگوں کو پکڑا سکوں گا جو اپنے اپنے جھوٹوں کے لائق نہیں ہیں اور پھر
ملا ہے وہ وقوف میں سے ان لوگوں کو بچن لوں گا جو نہایت کھلم کھلا ہیں پھر
مہلدار نے حکم دیا۔ فوراً کہڑے تیار کروانے جانیں۔

پھر مہلدار نے ان وقوفی خٹکوں کو وہاں میں طلب کر کے ایک بھاری رقم
پکڑوں کی تیاری کے لیے دی اور حکم دیا فوراً کام شروع کیا جائے۔
وقوفی خٹکوں نے پکڑا نہ تھے کی بڑی بڑی شیشیں لگائیں اور ایسا تھا ہر کیا
جیسے وہ ان مشینوں پر بیٹھ کر پکڑا تیار کر رہے ہیں

مگر سچی بات یہ ہے کہ مشینوں پر کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر
وقوفی پکڑا تیار نہ تھے۔ دن میں بھی اور رات دن لگے لگے۔

ایک دن مہلدار نے سوچا پکڑا بننے کا کام شروع ہو چکا ہے بل کہ دیکھا چاہیے
کہ آخر پکڑا کیسا تیار ہوا ہے۔ کتنا کام ہو چکا ہے اور کتنا باقی ہے۔ پھر بھی خیال
آیا کہ یہ پکڑا ان لوگوں کو باطل نظر نہیں آتا جو اپنے عہدے کے لائق نہیں ہیں۔ اور
بے وقوف ہیں۔ اگر اگلے نظر آئے تو کیا ہو گا پھر اس نے سوچا یہ کیا ہے
اپنے کپ جانے کے بجائے کہ دوسرے لوگوں کو بھیجنا چاہیے کہ وہ دیکھیں کہ کام
کیسا چل رہا ہے۔

سارے شہر میں ان وقوفی پکڑا بننے والوں کا ہرجا ہو رہا تھا جو مہلدار کے
لیے نیا لباس تیار کرنے والے تھے اور دن رات پکڑا تیار نہ تھے۔ ہر شخص اس

بات کے انتظار میں تھا کہ مہلدار پکڑے سے نہیں اور شہر کے بے وقوفوں کی تعداد معلوم
ہو جائے۔ ہر شخص اپنے پرانی کو بے وقوف سمجھتا تھا۔

مہلدار نے سوچا اب سے پہلے اپنے بڑے وزیر کو بھیجنا چاہیے۔ یہ بہت
اوقات ہے وہ پچ پچ جتا ہے گا کہ پکڑا کیسا ہے کام کیسے چل رہا ہے بے شک بھلا
بڑا عاقل وزیر بہت کچھ دے گا۔ اس جیسا کام کرنا بہت مشکل ہے کوئی نہیں کر سکا
بات ملے ہے۔

اس صاحب مہلدار کے حکم سے بڑا عاقل وزیر وہاں پہنچا جہاں وقوفی کام کر رہے
تھے اور دن رات کام کر رہے تھے۔ خالی مشینوں پر دن رات کپڑا بننا یا ماحول
پھر بڑا عاقل وزیر پہنچا تو اسے سوائے مشینوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ اپنی
پسلی پر پیٹی آٹھوں سے دیکھتا ہوا اپنے آپ سے بولا۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں آگے کچھ
بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ مگر وہ بولا۔ کچھ نہیں

وقوفی خٹکوں نے بڑے وزیر سے درخواست کی کہ وہ مشینوں کے قریب
آکر پکڑا دیکھیں۔ دنگوں اور ڈنچان کی تعریف کرے پھر ان وقوفوں نے خالی مشینوں کی
طرت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آگے آگے۔ قریب آگے۔

بڑا عاقل وزیر پریشان تھا کہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نظروں آگے کیسے وہاں کچھ ہوتا
تو نظروں آگے نہ دیکھ سکتا۔ وزیر نے سوچا۔ کیا میں پچ پچ بے وقوف ہوں۔ اپنے اس
عہدے کے لائق نہیں ہوں اور اگر ایسا ہے تو یہ بات کسی اور پر ظاہر نہیں ہونی
چاہیے۔ نہیں نہیں میں کسی سے نہیں کہوں گا کہ بکھے پکڑا نظر نہیں آتا۔

وقوفوں میں سے ایک نے کہا۔ وزیر صاحب آپ صحیح سمجھ جائے دیتے ہوئے
بکھل مت بھٹکیے۔

بڑا عاقل وزیر بولا۔ واہ۔ واہ۔ واہ۔ کیا پکڑا ہے بہت خوبصورت۔ لا جواب

وہ روزے وزیر نے اپنی آنکھوں پر چھتر لگا لیا۔ خوب لڑا حق نہ رہا ہے۔
 آپ لوگ۔۔ انگوں کی تو تعریف نہیں ہو سکتی ؟

پھر وزیر نے بہت قریب سے کپڑے کو دیکھا تاکہ اپنے مہلادہ سے وہ
 کپڑے کی تکمیل بیان کر سکے۔ بھلا بھی ایسا ہی۔ روزے وزیر نے مہلادہ سے
 کپڑے کے انگوں، بناوٹ اور فرنائی کی وہ تعریف کی کہ مہلادہ بار بار ہوا گیا۔
 بڑے وزیر کی تعریف کی بھر جب دونوں مشکو کو ملی تو انہوں نے فوراً اور
 دھپے غلبہ کے ارشٹم مانگا 'شہری کار نامے تاکہ بنائی کا کام تیزی سے جاری
 رہے۔ مگر یہ تو تم جانتے ہو کہ پاس ہے وہ ارشٹم ہو 'یا شہری 'نار' یا رقم سبب چیزیں
 وہ دونوں مشکو کی چیزوں میں جارہے تھے۔ 'بنائی کی چیزوں میں تو ایک دھاک بھی
 نہیں تھا۔ پھر بھی وہ دونوں مشکو ان دلت پڑا نہیں رہے تھے اور مہلادہ اچھا کھانا
 لباس تیار کر رہے تھے۔

مہلادہ نے اور زیادہ اطمینان کرنے کے لیے اپنے بھروسے کے ایک
 اور آدمی کو بھیجا کہ وہ بھی جا کر اس تیار ہوتے والے کپڑے کو دیکھے اور خبر لائے کہ
 مہلادہ کا لباس کب تک تیار ہو جائے گا۔

اس آدمی کے ساتھ بھی وہی سب کچھ پیش آیا جو بڑے وزیر کے ساتھ
 ہوا تھا۔ اس آدمی نے بھی بار بار مشکو کو دیکھا مگر وہاں کپڑا کیا کچھ بھی نظر نہ آیا۔
 وہ دونوں مشکو نے اس آدمی سے پوچھا 'کیوں صاحب کپڑا کیسا بنا رہا ہے؟
 ہے 'اے نا مہلادہ کے لائق۔۔ پھر وہ دونوں نے ہاتھوں کو اس طرف پھیر لیا
 جیسے وہ اسے نظریں پکڑا دکھا رہے ہوں۔

مہلادہ کے پیچھے ہونے اس آدمی نے بھی سوچا کہ مجھے کپڑا نظر نہیں آتا کیا
 میں بے وقوف ہوں۔ ہو سکتا ہے اپنے مہرے کے لائق نہیں ہوں۔ اگر ایسا

ہے بھی تو کس اور کو اس کی نظر نہیں ہوتی چاہیے۔

یہ سوچ کر اس نے دونوں مشکو سے کہنے جانے والے کپڑے کی تعریف شروع
 کر دی۔ پھر مہلادہ کے پاس پہنچ کر ملا۔

مضمر کیا کارگر ہیں وہ دونوں۔ وہ۔ خوب۔ اور کیا کپڑا بن رہے ہیں وہ لوگ
 کیا اس کے دلگ ہیں، کیا فرنائی ہے ایسا عمدہ لباس تیار ہو گا کہ سب کے سب
 دلگ رہ جائیں گے۔

غرض سلسلے شہر میں اس انوکھے کپڑے کی تعریف ہو رہی تھی جیسے وہ دونوں مشکو
 بن رہے تھے۔ مہلادہ بھی کپڑے کی تعریف نہیں کر خود کپڑا دیکھنے کے لیے بے قرار
 ہو با تھا مگر کپڑا تھا کہ ایسی چیز نہ رہتا تھا۔

آخر مہلادہ نے ایک دن اپنے بھروسے کی ایک جماعت کے ساتھ کارگروں
 کو پاس پہنچنے کا ارادہ کر لیا۔ اس جماعت کے وہ آدمی پہلے بڑے وزیر کے پاس پہنچے
 تھے۔ ان سب کو کہہ کر مہلادہ دونوں کارگروں کے پاس پہنچا۔

مہلادہ نے دیکھا کہ وہ آدمی بڑی توجہ سے مشکو کی طرف دیکھتے ہوئے کلم
 کر رہے ہیں۔ مگر یہ کیا۔ مشکو میں خدا سا دھاک بھی نہیں ہے۔

"وہ۔۔ لا جواب۔" جماعت کے ان دو ماہر نکلا ہوں نے پکارا۔ مضمر والا۔۔ خدا دیکھ
 تو کیا فرمائے ہے کیا اس کپڑے کے دلگ ہیں۔ وہ۔

مہلادہ نے مشکو کو خود سے دیکھا۔

پھر سوچا کیا بات ہے۔ کیا افسوس ہے مجھے کہ میں نظر نہیں آ رہا ہے۔ کیا میں
 بے وقوف ہوں یا میں مہلادہ ہونے کے لائق نہیں ہوں۔ یہ لوگ کیا کہیں گے میرے
 مہلادہ نے فائدہ اٹاتے کہا۔ بہت خوبصورت کپڑا ہے مجھے ہے نہ کہ میں بے وقوف
 بات نہ تھی کہ اسے اب بھی کہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

مہاراجہ کے ساتھ آنے ہوئے سارے لوگوں نے بڑے غور سے مشینوں کی طوت دیکھا انھیں وہی نظر آیا جو وہاں مختار بنی خانی مشینیں مگر سب نے مہاراجہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "بولے۔ حضور! داد۔ داد۔" بے شک کیا عمدہ کپڑا ہے، پیرنچہ! پھر بولے "حضور! داد۔" ابھی کچھ دواں بعد جو شاندار جلوس نکلتے والا ہے اس میں آپ بھی کپڑے پہنچے۔ داد۔ لا جواب۔

فوج سب نے یہی ظاہر کیا کہ وہ کپڑا دیکھ کر بہت خوش ہوئے ہیں۔ مہاراجہ نے فوراً اپنے پاس سے وہ پھول ان دونوں شٹلوں کو دیے کہ وہ اپنے کوٹ کے کانٹوں میں لگا دیں اور دونوں کو شاہی بٹلہ سے کا خطاب بھی عطا کیا۔

جلوس کے دن کا سب کو بڑا اشتہار تھا۔ دونوں پہلے ان شٹلوں نے سوار بڑی مشینیں دلا کر سب پر واضح کر دیا وہ انوں کو ہاگ جنگ کرکس قدر محنت سے کام کر رہے ہیں۔ پھر ان دونوں نے اس طرح ظاہر کیا کہ وہ مشینوں سے کپڑا نکال کر مناسب ٹکڑے کاٹ رہے ہیں۔ بڑی بڑی قمیڑیاں ہوا میں چل رہی تھیں اور وہ جلد سے جلد اپنا کام ختم کر دینا چاہتے تھے۔

پھر آخر ایک دن ان دونوں شٹلوں نے اعلان کر دیا کہ مہاراجہ کے لئے کپڑے تیار ہیں۔ مہاراجہ اپنے انتہائی تپے اور شریف دوستوں کے ساتھ ایک بار پھر ان شٹلوں کے پاس پہنچا۔ دونوں شٹلوں نے اپنے ہاتھ ہوا میں بلند کر کے کہا یہ آپ کا پہنلوں ہے۔ آپ کا کوٹ ہے اور یہ باقی کپڑے ہیں۔ یہ سارے کپڑے اس قدر چمکے اور نفیس ہیں کہ مکڑی کا جالا بھی دھندلا ہو گا اگر کوئی بہن لے تو اسے مصوڑ لگی نہیں ہو گا کہ اس نے کچھ پہنا ہے؟ دیکھیے کیسا عمدہ کپڑا ہے؟

"بے شک بے شک سب کے سب چٹوڑے اچھے حالہ کہ ان میں سے کسی کو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔"

پھر ان دونوں شٹلوں میں سے ایک نے کہا: حضور! داد۔ اگر آپ اپنے کپڑے اتار دیں تو ہم آپ کو یہ کپڑے پہنانے کی کوشش کریں گے۔ آپ اپنے لباس کو اس آئینے میں دیکھ سکتے ہیں۔

مہاراجہ نے غرضی خوشی اپنے کپڑے اتار دیے دونوں شٹلوں اس طرح کی حرکتیں کرنے لگے جیسے وہ اپنا دانا ہوا نیا لباس مہاراجہ کو پہنا رہے ہیں۔

نیا لباس پہن کر وہ مہاراجہ کو چادریں طوت سے دیکھنے لگے اور ایک بڑے آئینے کے سامنے گھمانے لگے۔ تاکہ وہ اپنے لباس کو اچھی طرح دیکھ سکے اور لباس پر ناز کر سکے۔

دونوں شٹلوں نے کہا "حضور! آپ پر یہ لباس خوب ہی رہا ہے۔" سب لوگ چٹا آئینے کی نیا لباس خوب ہے وہ کہہ کر اس کا رنگ بے کیا فانی بنائیں۔

پھر وہ سب نے مہاراجہ سے کہا: حضور! ہر شامیاد تیار ہے۔ مہاراجہ نے کہا: بہت خوب ہم بھی تیار ہیں۔ اور پھر آئینے پر ایک آخری نظر ڈالی۔ اور کہا واقعی ایک اچھا لباس ہے بہت عمدہ ہے۔

وہ آدمیوں نے مہاراجہ کے کپڑے دیکھے ہو کر اس طرح لباس اٹھایا جیسے وہ لباس کو خوب ہونے سے بھرا ہے ہیں۔ اس طرح مہاراجہ جلوس کی جانب بڑھا۔ جلوس روانہ ہوا۔

مہاراجہ اپنا اٹو کا لباس پہنی کر سڑکوں سے گزرنے لگا۔ سڑکوں کے کناروں کی کھڑکیوں سے آدمیوں نے آئے فیکس: وہ خوب لڑکھاپ مہاراجہ کا نیا لباس بے حد شاندار ہے! خوب سلائی اور پیر لباس کا پچھلا مشق کیا کہنے اس کے اچھا ہوا جو مہاراجہ کے پیچھے وہ آدمی لباس کو سمجھالے ہوئے ہیں۔

یہ، اچھے، بے لاس خواب ہو جاتا تھا۔

بلخ میں سے یا کوئی کہیں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہبلہ اور کے جسم پر کوئی
 ایسا نہیں ہے کہ نگہ دہ جانتے تھے کہ ایسا کہنے پر ہر شخص بالآخر اور بے وقوف کیا
 جانے لگا۔

ملکہ اپنا ایک ننھے سے لڑکے نے نگار مہادیاب کے جسم پر تو کیسے مہی نہیں ہے۔ ننھے لڑکے کا سنا پہلا نام اس کا سدا جمع بیچ امضا۔ ہاں ہاں مہادیاب کے جسم پر کچھ بھی نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ یہ کہہ سنا ہاں ہے؟

مہادیاب جمع کی آواز میں نمن کر ضرر کرنا کہنے لگا اس نے سوچا کہ اس کے مسئلے کوک تو خدا نہیں کہہ سکتے مگر اس مجلس کو بھی تو آگے بڑھنا ہے۔ وہ جمع کی پر واہ کیے بیٹے اور زیادہ اکڑ کر کہنے لگا اور بچے آنے والے نہ ہاں ہاں لے اور زیادہ احتیاط سے مہادیاب کا وہ دامن نہ ہاں لیا۔ جو کہیں تھا ہی نہیں

بچوں کا ادب

- | | | |
|------|---|--|
| 6-25 | سید اشرف حسین | 1- لکھنؤ کی کہانی |
| 1-85 | امیر پرویز | 2- اشتیاق حسین کی کہانیاں مسعود انیسٹن |
| 3-00 | منوہر داس / حضرت عثمان | 3- عرب کے گچھوڑیا |
| 5-50 | امیر پرویز | 4- ان سے ملے |
| 5-00 | امیر پرویز | 5- ایک دن کا بادشاہ |
| 3-00 | موشیہ الدین نیر | 6- ایک آئی اور ایک سزا کا وقت |
| 2-25 | پانی داسی / لکھنؤ / تارک و سامری | 7- بگم پڑیا |
| 7-50 | لکھنؤ / پانی داسی / پانی داسی | 8- بچوں کے کہو |
| 2-00 | بگم پانی داسی | 9- بچوں کی کہانیاں |
| 4-50 | نور محمد | 10- بگم کی کہانی |
| 3-00 | محمد قاسم صدیقی | 11- بھارت کی لوگ کہانیاں / اشتیاق حسین |
| 3-00 | محمد قاسم صدیقی | 12- بھارت کی لوگ کہانیاں / اشتیاق حسین |
| 3-00 | محمد قاسم صدیقی | 13- بھارت کی لوگ کہانیاں / اشتیاق حسین |
| 1-50 | کے شیخ کا / سادہ پرمیشیا پری | 14- بھارت کی لوگ کہانیاں |
| 3-70 | بھارت کی لوگ کہانیاں / بھارت کی لوگ کہانیاں | 15- بھارت کی لوگ کہانیاں |
| 5-75 | کے شیخ کا / امیر پرویز | 16- بھارت کی لوگ کہانیاں / اشتیاق حسین |
| 5-75 | کے شیخ کا / امیر پرویز | 17- بھارت کی لوگ کہانیاں / اشتیاق حسین |
| 5-75 | کے شیخ کا / امیر پرویز | 18- بھارت کی لوگ کہانیاں / اشتیاق حسین |



Rs.4.50

7.00	کے طرح کلا / سامر پوٹیا پوری	19. پنج تحریکی کہانیاں (حصہ چہارم)
2.50	الہیچرین دوز	20. چاند اور چاندیوں کی دنیا
2.50	سہولت ناظر	21. پہول دا
2.25	ازداتہ لہار / لڑکی سی . سوانہ کی	22. چاند اور ان کے بچے
3.25	نور الحسن نقوی	23. چاند و شبنم کا قصہ
3.00	ایم۔ ڈی / کشور سلطان	24. چاند و دوح
6.50	مرتبہ ۔ نور الحسن نقوی	25. مائے جان کا قصہ
3.40	فاطمہ ڈاٹو / م۔ نریم	26. راجس کرور
5.00	مرزا باہی رسو / مرتبہ ۔ حنیف عباسی	27. شہید زادہ
2.20	مرتبہ ۔ م۔ نریم	28. شہسوار پھر راجہ و سہیل داس
6.00	ماں فانی داد	29. فٹ بال کی کہانیاں
3.00	نور محمد پادھیالے / انجیل انترقادی	30. گزری ہوئی کے اگست پاپ
5.00	الہیچرین دوز	31. شیشی گھونٹا اور سرائی پشٹان
2.00	مرتبہ ۔ محمد عتیق الدینی	32. سوانہ دم کی کہانیاں
3.75	مترجم ۔ حنیف انیس پادھا	33. بہاری
3.00	سواتری اسٹیج / اجیری	34. خالہ جی
6.50	آفتاب احمد / گوٹا ۔ فیہم احمد	35. فون کی کہانیاں
6.00	مشکوٰۃ / پریم فانی	36. جی ۔ دھرم سہج
7.50	سید شہاب الدین / دھوی	37. گیارہ کی کہانیاں
3.75	حکام سید	38. گدا کی کہانیاں
4.00	مرتبہ ۔ امیر حسن خورانی	39. گشتی کی کہانیاں
3.75	سیتہ فرحست	40. بچوں کی کہانیاں

ترقی اردو بیورو

ترقی اردو بیورو